مَن یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّینِ (صحیح البخاری)

فقہ اور فتاویٰ کی تدوین و تاریخ

تالیف

مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی

صدر مفتی و شیخ الحدیث
ادارہ شرعیہ اتر پردیش رائے بریلی، یوپی

ناشر اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن
حیدرآباد، دکن

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

(بخاری شریف، ج،۱ص،۱۶)

فقہ اور فتاویٰ
کی تدوین وتاریخ

تالیف:

مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی

صدر مفتی وشیخ الحدیث-ادارۂ شرعیہ اتر پردیش۔رائے بریلی، یوپی

ناشر:

اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن

حیدرآباد دکن

بفیضِ روحانی شیخ الاسلام والمسلمین، رئیس المحققین، اشرف المرشدین
حضرت علامہ مولانا سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی کچھوچھوی

سلسلۂ کتاب بزبان اردو: 127 سلسلۂ اشاعت بزبان اردو: 61

❁......نام کتاب	:	**فقہ اور فتاویٰ کی تدوین و تاریخ**
❁......مصنف	:	**مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی**
❁......نظر ثانی	:	خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی
❁......تصحیح	:	مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی-
❁......اہتمام وانتظام	:	بشارت علی قادری اشرفی، جدہ-حجاز مقدس-
❁......کمپوزنگ	:	مولانا غلام ربانی فیضی، مولانا انوار حسین اشرفی (لکھنؤ)
❁......پروف ریڈنگ	:	طلبۂ تحقیق: امام احمد رضا لرننگ اینڈ ریسرچ سینٹر، ناسک
❁......اشاعت اول	:	1441ھ/2020ء (بموقع عرس حافظ ملت)
❁......ناشر	:	**اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن، حیدرآباد، دکن-**
❁......صفحات	:	112
❁......ہدیہ	:	

❁ملنے کے پتے❁

☆......مصنف کتاب-مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی۔	09580720418
☆......سُنّی پبلی کیشنز، دریا گنج، دہلی-	09867934085
☆......اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن، حیدرآباد-	09502314649
☆......مکتبہ نور الاسلام، شاہ علی بنڈہ، حیدرآباد-	09966387400
☆......عرشی کتاب گھر، میر عالم منڈی، حیدرآباد-	09440068759

☆......مصباحی اکیڈمی، بڑی ارجنٹی، مبارک پور اعظم گڑھ، یوپی-
☆......ادارۂ شرعیہ اتر پردیش کھنی تلہ، رائے بریلی، یوپی-
☆......مخدوم اشرف مشن پنڈوہ شریف، مالدہ بنگال-
☆......کے جی این بک اسٹور، رام گنج، اسلام پور، اتر دیناج پور، بنگال-

مشمولات

نمبرشمار	عناوین	صفحہ نمبر
۱	شرف انتساب	8
۲	خراج عقیدت	9
۳	اظہار تشکر	11
۴	اظہار حقیقت: نازش فکر و قلم حضرت مولانا مفتی ساجد رضا مصباحی	16
۵	اظہار خیالات: معروف صحافی وقلمکار مولانا محمد عرفان قادری	21
۶	مشاہدات: فاضل محقق حضرت مولانا مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی	25
۷	تقریظ جمیل: ماہر توقیت حضرت مولانا مفتی رفیق الاسلام نوری	30
۸	تقدیم: ماہر رضویات حضرت مولانا مفتی محمد عیسی رضوی	33
۹	فقہ اور فتاویٰ کا تعارف	43
۱۰	فتوی کی لغوی اور اصطلاحی تعریف	44
۱۱	فتوی کی شرعی حیثیت	46
۱۲	فتویٰ کی اہمیت	46
۱۳	مفتی کی تعریف	49
۱۴	مفتی کی قسمیں	49
۱۵	فتویٰ کے اقسام	49

۱۶	فتوی نویسی کے کچھ بنیادی اصول	51
۱۷	کیا مفتی کے لیے مجتہد ہونا ضروری ہے	54
۱۸	فتوی دینا کسے حلال ہے	55
۱۹	فتوی کس کے قول پر دیا جائے	57
۲۰	فقہائے احناف کے اقوال مختلف ہونے پر فتوی کی ترتیب کیا ہوگی	58
۲۱	مختلف فیہ اقوال میں ترجیح کے وجوہات	59
۲۲	قول امام سے عدول کب جائز	59
۲۳	شریعت اسلامیہ کے سب سے اول مفتی	60
۲۴	مشاہیر مفتیان کرام	62
۲۵	فتوی کی مختصر تاریخ	63
۲۶	فقہ کی تعریف، موضوع اور غرض وغایت	64
۲۷	علم فقہ کی شرعی حیثیت	66
۲۸	علم فقہ کی فضیلت وعظمت	66
۲۹	فقہ کی مختصر تاریخ	69
۳۰	مجتہدین صحابہ	70
۳۱	مجتہدین صحابہ کے اقسام	70
۳۲	مجتہدین مکثرین	70
۳۳	مجتہدین متوسطین	70
۳۴	مجتہدین مقلین	71
۳۵	مختلف بلاد اسلامیہ میں علم فقہ کا فروغ	71
۳۶	حضرت علقمہ بن قیس	72
۳۷	حضرت ابراہیم نخعی	72

۳۸	حضرت حماد بن ابی سلیمان	73
۳۹	حضرت امام اعظم ابو حنیفہ	73
۴۰	نام ونسب	73
۴۱	وجہ تسمیہ	73
۴۲	کنیت کی وضاحت	74
۴۳	بشارت عظمیٰ	74
۴۴	تحصیل علم	75
۴۵	مشاہیر شیوخ واساتذہ	76
۴۶	مشاہیر تلامذہ	76
۴۷	مشاہیر معاصرین واقران	77
۴۸	تصانیف	77
۴۹	معاصرین کا اعتراف	78
۵۰	امام باقر سے مناظرہ	78
۵۱	وصال مبارک	79
۵۲	فقہ اسلامی کے مختلف ادوار کی ایک جھلک	79
۵۳	پہلا دور	80
۵۴	دوسرا دور	80
۵۵	تیسرا دور	80
۵۶	چوتھا دور	81
۵۷	پانچواں دور	81
۵۸	ائمہ اربعہ اور ان کے فقہی مسالک ومکاتب	82
۵۹	فقہ حنفی	82

۶۰	فقہ مالکی	82
۶۱	فقہ شافعی	83
۶۲	فقہ حنبلی	83
۶۳	فقہ کی تدوین	84
۶۴	ضرورت تدوین فقہ	85
۶۵	جدید مسائل میں صحابہ کا اجماع اور اختلاف	86
۶۶	مسائل میں اختلاف صحابہ کے خاص اسباب	87
۶۷	امام اعظم اور تدوین فقہ	90
۶۸	تدوین فقہ کے ارکان	91
۶۹	طریقہ تدوین	92
۷۰	تدوین فقہ کی منظر کشی	93
۷۱	فقہ حنفی کے اصول	94
۷۲	طبقات فقہائے احناف	95
۷۳	کتب احناف کے طبقات	97
۷۴	کتب اصول	97
۷۵	کتب نوادر	99
۷۶	کتب واقعات	99
۷۷	فتویٰ کی سب سے پہلی کتاب	99
۷۸	موجودہ دور میں فقہ حنفی کی مآخذ و مستند کتابیں	100
۷۹	مستند متون	101
۸۰	مستند شروح	101
۸۱	مستند فتاویٰ	101

۸۲	متون۔شروح اور فتاویٰ پر مقدم ہیں	101
۸۳	مشاہیر کتب فتاویٰ	102
۸۴	مشاہیر کتب فتاویٰ بزبان اردو	103
۸۵	فتاوی کی ادبی ولسانی اور تاریخی حیثیت	105
۸۷	مآخذ ومراجع	107

شرف انتساب

میں اپنی اس معمولی علمی کاوش ''فقہ اور فتاویٰ کی تدوین وتاریخ''، کو معنون کرتا ہوں ان تمام عظیم شخصیات اسلام، فقہا ومحدثین اور مجتہدین ومحققین کے مبارک نام جنہوں نے ادلۂ اربعہ قرآن، حدیث، اجماع، قیاس کی روشنی میں مسائل شرعیہ وفرعیہ کے استنباط واستخراج میں اپنی تمام تر علمی وتحقیقی توانائیاں اور پاکیزہ حیات مستعار وقف کیں اور فقہ اسلامی کی تدوین کے ذریعہ امت مسلمہ پر عظیم احسان فرمایا۔

اور

اپنے ان تمام مشفق اساتذۂ کرام کے نام جو علمی اور تحقیقی کاموں کے لیے مجھے ہمیشہ آمادہ کرتے رہتے ہیں اور وقتاً فوقتاً میری حوصلہ افزائی کر کے میری کمزور ہمتوں کو توانائی اور استحکام بخشتے ہیں۔

اور

یوپی و بنگال کے دو عظیم وقدیم شہرہ آفاق دینی وعلمی اور بافیض درسگاہوں ''**الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور**'' اور ''**مخدوم اشرف مشن پنڈوہ شریف، مالدہ**'' کے نام جنہوں نے بہت سے تشنگان علوم وفنون کو سیراب وشاد کام کیا اور جن کی علمی چھاؤں میں متعلم اور معلم کی حیثیت سے اپنی زندگی کے کچھ قیمتی ایام گذارا اور آج کچھ اس قابل ہوا۔

اللہ تعالیٰ تا قیامت ان اداروں کو شاہراہ ترقی پر گامزن رکھے اور ان کے علمی فیضان سے کائنات عالم کو منور ومجلیٰ فرمائے۔ (آمین بجاہ سید المرسلین)

سوئے دریا تحفہ آوردم صدف
گر قبول افتد زہے عز وشرف

نیازمند
ابوالاشرف

محمد کمال الدین اشرفی مصباحی، دیناجپوری

خـراج عقیـدت

امت مسلمہ کے ان عظیم قائدین اور اولیائے کاملین کے مبارک نام جو شریعت و طریقت کے حسین سنگم تھے یعنی

☆امام الائمہ، کاشف الغمہ، سراج الامہ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی (متوفی: ۱۵۰ھ)

☆عارف کبیر، ولی کامل، آئینۂ ہندا خی سراج الدین عثمان اودھی چشتی نظامی (متوفی: ۸۵۸ھ)

☆قطب بنگال، مخدوم العالم، مرشد غوث العالم شیخ علاء الحق گنج نبات پنڈوی (متوفی: ۸۰۰ھ)

☆غوث العالم محبوب یزدانی مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی (متوفی: ۸۳۲ھ)

☆شیخ المشائخ اشرف الاولیا سید شاہ مجتبیٰ اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھوی (متوفی: ۱۴۱۸ھ)

☆نصیر ملت استاذ العلما حضرت علامہ مفتی نصیر الدین چشتی اشرفی پناسوی (متوفی: ۱۴۱۸ھ)

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

اور

جملہ مشائخ سلسلۂ عالیہ اشرفیہ کی علمی اور روحانی عظمتوں کے نام جن کا مسلسل علمی و روحانی فیضان آج بھی جاری ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ جاری رہے گا۔

ان کی بارگاہ بے کس پناہ میں ایک نابکار وسیاہ کار بندہ اپنی عقیدت و محبت کے خوان میں خلوص وللّٰہیت سے سجایا ہوا یہ گلدستہ اس توقع پر نذر کرنے کی سعادت و جسارت کر رہا ہے کہ اس ذرۂ بے مایہ کو بھی محروم توجہ نہ فرمائیں گے۔

وللارض من کاس الکرام نصیب

ہمارے دست تمنا کی لاج بھی رکھنا
تیرے فقیروں میں اے شہریار! ہم بھی ہیں

اسیر مجتبیٰ و خاکپائے اولیا
محمد کمال الدین اشرفی مصباحی، رائے بریلی

عرض ناشر

تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے جو تمام جہانوں کا خالق و مالک ہے۔ بعد حمد خدائے تعالیٰ، بے شمار درود و سلام صاحبِ لولاک، رسول پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، ان کے اہل بیت پر اور ان کے محبوب اصحاب وائمۂ شریعت وطریقت پر۔

"**فقہ اور فتاویٰ کی تدوین وتاریخ**" مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی کی ایک تحقیقی کتاب ہے۔ آپ نے بڑے ہی دل کش اور علمی انداز میں یہ کتاب مرتب کی ہے۔ موجودہ دور میں اس کی اہمیت وافادیت کا اندازہ لگاتے ہوئے میں نے چاہا کہ یہ کتاب برِّ صغیر کے اردو خواں اہل ذوق کی خدمت میں پیش کی جائے۔ میری اس خواہش اور اہم علمی ودینی ضرورت کے پیش نظر **اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن** اسے اپنی **61** رویں اشاعتی پیش کش کے طور پر امسال عرس حافظ ملت شاہ عبدالعزیز اشرفی مبارکپوری کے موقع پر شائع کر رہی ہے۔ **اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن** اپنے مختصر علمی وتحریکی کارگزاری میں اپنے اشاعتی منصوبوں کے تحت **150** سے زائد علمی، تحقیقی اور تاریخی عنوانات پر کتب ورسائل تیار کر چکی ہے، جس میں مختلف اہم عربی کتب ورسائل کا پہلی بار اردو ترجمہ کرانا بھی شامل ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے اس خدمت قلیلہ کو قبول فرمائے، ہر کام کو پائے تکمیل تک پہنچائے، ناشرین واراکین "**اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن**" کو مزید دینی وعلمی خدمت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور احباب اہل سنت کے لیے اس کتاب کو نفع وفیض بخش بنائے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

فقیر غوثِ جیلاں وسمناں - محمد بشارت علی صدیقی اشرفی

جدہ شریف، حجاز مقدس -1441ھ/2020ء

اظہار تشکر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ عزوجل کے لیے ہیں جس نے ساری کائنات کو وجود بخشا، بعد حمد خدائے تعالیٰ بے شمار درود وسلام نازل ہو شہنشاہ کون ومکاں، محسن انسانیت حضور نبی اکرم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں جن کے صدقہ وطفیل ہم گنہگاروں کو ایمان کی عظیم دولت نصیب ہوئی پھر آپ کے تمام اہل بیت اطہار، صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ مجتہدین، فقہا ومحدثین اور جملہ علمائے ربانیین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر جن کی مساعی جمیلہ اور انتھک کوششوں سے شریعت وطریقت کو رفعت وبلندی حاصل ہوئی۔

امابعد! اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ اس نے مجھ جیسے ہیچمداں اور بے مایہ کو یہ توفیق بخشی کہ علم وفن اور تحقیق وجستجو سے بے بضاعتی کے باوجود اس کم مایہ کے نوک قلم سے چند کتابیں معرض وجود میں آئیں جو عوام وخواص کے درمیان امید سے زیادہ مقبول ومتعارف ہوئیں اور قارئین وشائقین سے داد تحسین اور خراج محبت وصول کیں جس کا اندازہ عظیم علمائے دین، جلیل فقہا ومحدثین، ماہرین فنون وادب اور اصحاب لوح وقلم کے گراں قدر تاثرات اور اہم تقریظات سے لگایا جا سکتا ہے جو ان کتابوں میں نہ صرف شائع ہوئے بلکہ ان کے لیے سند امتیاز اور باعث صد افتخار ہیں۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

میری دیرینہ تمنا تھی کہ فقہ اور فتاویٰ جو دینی علوم وفنون میں امتیازی اور بنیادی حیثیت کے حامل ہیں ان کی تاریخ وتدوین کے موضوع پر کوئی ایسا رسالہ ترتیب دوں جو ان کے تمام ضروری گوشوں پر محیط، اہل علم کے لیے مفید اور طلبۂ متخصصین فی الفقہ کے لیے رفیق اور مشعل راہ ثابت ہو، تا کہ اس رسالہ کی مدد سے وہ فقہ اور فتاویٰ کی تاریخی اور اہم وبنیادی معلومات حاصل کر سکیں۔

لیکن وقت گذرتا رہا، درس وتدریس ،فتویٰ نویسی ، مضمون نگاری، وعظ وخطابت اور دیگر اہم مصروفیات کے باعث اس کے لیے فرصت میسر نہ ہوئی،اس دوران بعض مخلص احباب کا مسلسل اصرار اور تقاضا ہوتا رہا اور بالآخر ان کی نیک خواہشات اور اپنے مشفق اساتذہ کی بابرکت دعاؤں کے طفیل اس اہم کام کے لیے کچھ وقت نکل آیا،اس کا عزم مصمم کرلیااور آج یہ رسالہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

یہ رسالہ ضخامت وحجم کے اعتبار سے اگرچہ چند صفحات پر مشتمل ہے لیکن اپنے اندر فقہ وفتاویٰ کی تدوین وتاریخ سے متعلق معلومات کا ایک عظیم ذخیرہ رکھتا ہے، کتنی عرق ریزی کے بعد یہ رسالہ تیار ہوا ہے اس کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے اور ناچیز اپنی اس علمی کاوش میں کہاں تک کامیاب ہے اس بات کا صحیح اندازہ اور اس کا انحصار اہل علم کے قیمتی تاثرات ،اظہار خیالات، بے لاگ تبصروں اور نقد ونظر پر مبنی ہے۔

اس رسالہ کی تصحیح کا ناچیز نے کافی خیال رکھا،اسے بار بار دیکھا ،بغور دیکھا اور اصحاف فقہ وافتا نے بھی بالاستیعاب دیکھا پھر بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ بالکل صحیح ہے کیونکہ میں بھی ایک انسان ہوں اور انسان سے غلطی ممکن ہے لہذا قارئین کو اگر کہیں کوئی خامی اور غلطی نظر آئے تو بغرض اصلاح ضرور اس کی نشاندہی کریں اور ناچیز کو مطلع کرکے ممنون ومشکور فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح ہوسکے۔

تصنیف وتالیف کی منزل کس قدر دشوار گذار ہے ارباب علم وفن اور اصحاب لوح و قلم پر مخفی نہیں ،اس کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتا ہے جو اس دریا میں غوطہ لگایا ہو،اس کے لیے وسعت مطالعہ، علمی سرمایہ اور فرصت وقت کی ضرورت ہے اور مجھ ناچیز کا حال یہ ہے کہ ان تینوں میں میری کوئی حیثیت نہیں ،میری حیثیت علمائے کرام اور مصنفین ومولفین کی خاک پا کے برابر بھی نہیں ،اپنے مشفق اساتذۂ کرام وبافیض مشائخ عظام کی توجہات بیکراں، مسلسل نوازشات اور مخلص احباب کے حوصلہ بخش کلمات کی بدولت کچھ تحریری کام ہوجاتا ہے اور قرطاس وقلم سے رشتہ جڑا ہوا ہے۔

اس رسالہ کی تیاری میں استاذ گرامی خیر الاذکیا عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کا خاصا تعاون شامل ہے،حضرت دام ظلہ نے

نہ صرف اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا بلکہ اس پر نظر ثانی اور ضروری اصلاحات کر کے اس رسالہ کو بیش قیمت بنادیا پھر بھی اگر کہیں پر کوئی خامی نظر آئے تو اسے میری کوتاہی پر محمول کیا جائے ،حضرت کی ذات اقدس اس سے بری ہے،اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے۔(آمین)

بڑی ناسپاسی اور احسان فراموشی ہوگی اگر میں اپنے ان کرم فرما محققین اسلام، مفتیان کرام اور علم دوست احباب کا شکریہ ادا نہ کروں جنھوں نے تحقیق وجستجو،فتویٰ نویسی، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف جیسی اہم مصروفیات کے باوجود اپنا کچھ قیمتی وقت نکال کر اپنے قیمتی تاثرات سے نوازا اور قلب ونگاہ کو جلا بخشا جو اس رسالہ کے لیے اعتبار واستناد کا درجہ رکھتی ہیں، بلاشبہ ان نامور علما وفضلا کے تاثرات وتقریظات نے اس رسالہ کے معنوی حسن وجمال میں چار چاند لگا دیا ہے۔

خصوصا محقق رضویات جامع معقولات ومنقولات حضرت علامہ مفتی محمد عیسی رضوی صدر مفتی وشیخ الحدیث الجامعۃ الرضویہ گرسہائے گنج،قنوج، یوپی اور ماہر حدیث وتوقیت حضرت علامہ مفتی رفیق الاسلام نوری صدر شعبۂ افتا جامعہ شکوریہ بلہور، کانپور، یوپی کا میں صمیم قلب سے ممنون ومشکور ہوں کہ اول الذکر نے ناچیز کی خواہش پر آنا فانا علوم فقہ وفتاویٰ کی تدوین وتاریخ سے متعلق ایک وقیع اور معلوماتی مقدمہ تحریر فرمایا جو اس رسالہ کے لیے روح کی حیثیت رکھتا ہے اور ثانی الذکر نے نہایت ہی قیمتی اور جامع تقریظ جمیل سے نوازا جو اس رسالہ کے لیے سند اعتبار واعتماد ہے۔

قرطاس وقلم کی دنیا میں منفرد المثال شخصیت کے مالک ادیب عصر محب گرامی وقار حضرت مولانا مفتی ساجد رضا مصباحی استاذ ومفتی دار العلوم غریب نواز، داہوگنج، کشی نگر، یوپی کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں کہ موصوف نے عدیم الفرصتی، گوناگوں مصروفیات اور ضلع اتر دیناج پور میں ملکی پیمانے پر ایک عظیم تاریخی اجلاس **''امام احمد رضا نیشنل سیمینار وکانفرس''** کا ان دنوں بیڑا اٹھانے کے باوجود اس رسالہ کو من وعن دیکھا، مسودہ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور اپنے قیمتی تاثرات کو اظہار حقیقت کی شکل میں ضبط تحریر کر کے ناچیز کو عنایت فرمایا، یقیناً ان کے روشن خیالات اس رسالہ کے لیے باعث زینت ہیں۔

نیز میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں نازش لوح وقلم فخر صحافت حضرت مولانا محمد عرفان قادری زید مجدہ استاد مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن ، بڑا چاند گنج لکھنؤ کا جن کی فکر نوخیز وتحریر دل آویز اور ذوق صادق ونظر عمیق نے اس رسالہ کو خوب سے خوب تر بنانے میں اہم رول ادا کیا ،موصوف نے اظہار خیالات کو اپنے قیمتی الفاظ ،عمدہ طرز تعبیر اور تسلسل بیان کے ذریعے اس طرح اجاگر کیا ہے کہ وہ اپنی مثال آپ ہے۔

اس موقع پر اگر میں اپنے رفیق درس محب گرامی فاضل محقق ،صاحب تصانیف کثیرہ، نازش فقہ وافتا حضرت مولانا مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی صدر مفتی نوری، دارالافتا بھیونڈی وشیخ الحدیث الجامعۃ الرضویہ کلیان مہاراشٹر کا ذکر نہ کروں تو بڑی احسان فراموشی ہوگی کہ موصوف کی تحریک پر آج یہ رسالہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، انہیں کی بدولت قرطاس وقلم سے میرا تعلق استوار ہے اور اسی علم دوستی کی بنیاد پر ان کا نام میرے دل کی تختی پر نقش ہے۔

اخیر میں بطور خاص شکر گزار ہوں عزیز مکرم فاضل علوم اسلامیہ حضرت مولانا مفتی مشتاق احمد اویسی امجدی، استاد امام احمد رضا لرننگ اینڈ ریسرچ سینٹر ناسک کا جنہوں نے عہد طالب علمی سے لے کر اب تک مجھ سے مسلسل رابطہ رکھا ،عقیدت و نیازمندی کا ہمیشہ ثبوت پیش کیا اور آج انہیں کی مساعی جمیلہ اور متنوع کوششوں سے بہت مختصر اور قلیل وقت میں یہ رسالہ تیار ہوسکا نیز امام احمد رضا لرننگ اینڈ ریسرچ سینٹر کے ان طلبۂ شعبۂ تحقیق کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے استاذ گرامی کے حکم پر پروف ریڈنگ کا اہم فریضہ انجام دیا۔

اور بے حد ممنون ومشکور ہوں صاحب فضل وکمال، پیکر جود ونوال، محب القلم جناب بشارت علی صدیقی قادری اشرفی دام مجدہ ڈائریکٹر ومہتمم :اشرفیہ اسلامک فاونڈیشن حیدرآباد، دکن کا کہ جنہوں نے اس رسالہ کی طباعت واشاعت کا بار گراں اپنے ذمے لے کر اس رسالہ کو حسن معنوی کے ساتھ حسن صوری سے بھی مزین کیا ،موصوف اس سے قبل بھی دینی، علمی، فقہی، اور تحقیقی موضوعات پر متعدد اہم کتابیں شائع کر چکے ہیں اس لیے وہ ہم سب کی طرف سے مبارکباد اور شکریہ کے مستحق ہیں۔

ان کے علاوہ جن حضرات نے بھی اس سلسلے میں میری مدد ورہنمائی کی ناچیز سب کا

تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے۔

دعا ہے کہ خداوند کریم ہمارے ان تمام کرم فرماؤں کی دینی، علمی، تالیفی اور تبلیغی خدمات کو قبول فرمائے، اپنی طرف سے ان کو اجر جزیل عطا فرمائے، ان کے علم وفضل اور اقبال کو مزید عروج بخشے اور انہیں دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔ میرے اس رسالہ کو شرف قبولیت بخشے، اسے میرے لیے ذریعہ نجات بنائے اور مزید مجھے دین متین کی خدمت کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

وما توفیقی الا باللہ وھو حسبی ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر، اللھم تقبل ھذہ واجعلھا نافعا للمسلمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وعلی آلہ الطیبین واصحابہ الطاھرین۔

آپ کا مخلص:

محمد کمال الدین اشرفی مصباحی

خادم افتا و استاذ حدیث وفقہ،

ادارۂ شرعیہ اتر پردیش، رائے بریلی، یوپی،

۱۲؍ربیع الاول ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۱؍نومبر ۲۰۱۸ء بروز چہار شنبہ۔

حالیہ وطن:

ایوان اشرف، سید نگر، رائے بریلی، یوپی،

آبائی وطن۔

دولالی گرام، قصبہ رام گنج، اسلامپور، اتر دیناجپور، بنگال۔

مستقل سکونت:

اشرف نگر، حیدر پاڑہ، سلی گوڑی، بنگال۔

اظہار حقیقت

نازش فکر وقلم

حضرت مولانا مفتی محمد ساجد رضا مصباحی زید مجدہ
استاذ ومفتی: دار العلوم غریب نواز، داہو گنج، کشی نگر یوپی

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے قابل فخر فرزندوں میں ایک محترم نام حضرت مولانا مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی صاحب کا ہے۔ آپ نے اپنی گوناگوں خدمات اور کارناموں کی وجہ سے بہت ہی مختصر سے وقت میں جو شہرت ومقبولیت حاصل کی ہے وہ کم ہی لوگوں کا نصیبہ ہوتا ہے۔ عہد طالب علمی سے اب تک آپ کی کامیابیوں کا سفر تسلسل کے ساتھ جاری ہے، یکے بعد دیگرے مختلف میدانوں میں آپ کی خدمات کا کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔ دراصل جوش جنوں، جہد مسلسل، عملِ پیہم اور اخلاص ووفا یہ وہ اوصاف ہیں جو شخصیت کی تعمیر اور اسے عروج وارتقا کی منزلوں تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور مکمل محنت ولگن کے ساتھ جو بھی معرکہ سر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس میں کامیابی یقینی ہوا کرتی ہے، تجربات، مشاہدات اور تاریخی شواہد ہمیں ان حقائق کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی کمال الدین اشرفی مصباحی صاحب قبلہ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار کمالات اور خوبیوں سے نوازا ہے، یہ وہ اوصاف وکمالات ہیں جو ایک ہی شخصیت میں کم ہی جمع ہو پاتے ہیں۔ علمی وتبلیغی سرگرمیوں کے تین بڑے میدان ہوتے ہیں تحریر، تقریر اور تدریس۔ عام طور پر انسان اپنے لیے ان تینوں میدانوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرتا ہے اور اسی میں اپنی پوری توانائی صرف کرتا ہے اور اسی میدان کے حوالے سے اس کی شناخت

بھی ہوتی ہے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخصیت ان تینوں میدانوں میں کامل دسترس رکھے اور خاطر خواہ تینوں میدانوں میں گراں قدر خدمات بھی انجام دے، اگر کوئی فرد فکر و عمل کی ان تینوں جولان گاہ میں اپنی جولانیت برقرار رکھے تو ہمیں اسے ہمہ جہت شخصیت کہنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت مفتی کمال الدین اشرفی مصباحی قبلہ عہدِ طالب علمی میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں اساتذہ وطلبہ کے مابین قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے، عہدِ طالب علمی ہی میں ان کے کئی مضامین ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور میں شائع ہوکر مقبول عام وخاص ہوئے، زمانہ طالب علمی ہی سے انکی علمی اور قلمی صلاحیتیں آشکارا تھیں، آج وہ متعدّد کتب ورسائل کے مصنف ہیں، ملک کے معیاری رسائل میں ان کے مضامین مکمل اہتمام کے ساتھ شائع کیے جاتے ہیں، اعلیٰ معیار کے اخبارات اپنے خصوصی ضمیموں میں ان کے مضامین کو ترجیحی طور پر شامل کرتے ہیں۔ ملک کے مختلف گوشوں میں منعقد ہونے والے علمی، فقہی، ادبی سیمینار اور مجلس مذکرات میں ان کی شرکت ہوا کرتی ہے، ایک نوجوان فاضل اور صاحب فکر وقلم کے لیے یہ حصول یابیاں بہت معنی رکھتی ہیں، سچ یہ ہے کہ ان کا قلمی سفر مکمل نظم وضبط کے ساتھ منزل کی طرف رواں دواں ہے اور ان کی تحقیقات اور تخلیقات کا سلسلہ بہت تیزی کے ساتھ جاری ہے۔

عام طور پر درس گاہوں سے وابستہ علمائے کرام کے لیے تحریری کام کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے، وہ درس گاہی مصروفیات اور اس سے متعلق دوسری منصبی ذمے داریوں میں اس قدر الجھ جاتے ہیں کہ تحریری کاموں کے لیے جس اطمینان وسکون اور ذہنی یک سوئی کی ضرورت ہوتی ہے وہ میسر نہیں ہو پاتی۔ لیکن بعض اہل ذوق اور بلند عزم وحوصلے کے حامل علمائے کرام اسی اضطراب وانتشار کے عالم میں درس وتدریس کے ساتھ اپنا قلمی سفر بھی جاری رکھتے ہیں، یقینا علمائے کرام کا یہ طبقہ قابل صد مبارک باد اور جماعت اہل سنت کے لیے باعث افتخار ہے۔ حضرت مفتی کمال الدین اشرفی مصباحی قبلہ بھی فراغت کے بعد سے ہی ملک کی معیاری درس گاہوں کے اعلیٰ مناصب پر فائز رہے ہیں، تدریسی میدان میں بھی ان کی ایک امتیازی شناخت ہے، ان کے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد ملک کے کئی بڑے تعلیمی اداروں میں درس

وتدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔آپ کا تعلق بھی عصر حاضر کے اہل فکر وقلم کے اسی طبقے سے ہے جو درس وتدریس اور فقہ وافتا کی تمام تر مصروفیات کے باوجود تصنیف وتالیف سے بھی اپنی وابستگی کو مستحکم رکھنے میں کامیاب ہیں۔

آپ ایک طویل عرصے تک قطب بنگال شیخ علاء الحق پنڈوی کی نگری پنڈوہ شریف میں قائم عظیم تعلیمی ادارہ **''الجامعۃ العلائیہ مخدوم اشرف مشن''** پھراس کے بعدرائے بریلی کے معروف تعلیمی ادارہ **''ادارۂ شرعیہ اتر پردیش''** میں تدریس، تبلیغ اور فتاویٰ نویسی کی اہم ذمے داریوں کو نبھاتے رہے ہیں، فی الوقت موخر الذکرادارے کے شیخ الحدیث ،صدر مفتی اور قابل ذکر استاذ ہیں۔

حضرت مفتی کمال الدین صاحب اشرفی مصباحی ایک عمدہ اور باوقار خطیب بھی ہیں، موجودہ عہد میں کرسی توڑ خطبا کی کوئی کمی نہیں، ہر گاؤں، ہر قصبے اور ہر آبادی میں ایسے خطبا با آسانی دستیاب ہیں، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ آج بھی ایسے خطبا کم یاب ہیں جو عالمانہ وقار اور پوری ذمے داری کے ساتھ خطاب کریں، جن کا خطاب سن کر لوگوں کے دلوں میں انقلاب بپا ہو، جن کے دل میں خطابت کے ذریعہ اصلاح اعمال کا جذبہ بیدار ہو، جو واقعی اصلاح معاشرہ کے پاکیزہ جذبے کے ساتھ اپنے اس فن کو بروے کار لائیں، حضرت مفتی کمال الدین صاحب اشرفی مصباحی ایک طویل عرصے سے خطابت کے میدان سے وابستہ ہیں، بڑے سے بڑے اسٹیج پر مکمل اعتماد کے ساتھ خطاب فرماتے ہیں، کئی بار عرس رضوی کے اسٹیج پر بھی آپ کو خطاب کا شرف حاصل ہوا ہے، آپ مسلکِ اعلیٰ حضرت کے سنجیدہ داعی ومبلغ ہیں، امام احمد رضا بریلوی کے افکار ونظریات کو اپنے مخصوص خطیبانہ لب ولہجے میں بیان فرماتے ہیں، احقاق حق اور ابطالِ باطل آپ کا مشن ہے، فکر رضا کے فروغ کے لیے مخلصانہ طور پر جدوجہد فرماتے ہیں، گویا اس میدان میں بھی آپ اپنے اقران ومعاصرین میں امتیازی حیثیت کے حامل ہیں۔

حضرت مفتی کمال الدین اشرفی مصباحی صاحب قبلہ مختلف موضوعات پر نصف درجن سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں، ان کی یہ تصانیف اہل علم کے درمیان اعتبار واعتماد کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور علم وادب کی مستند شخصیات کی تقریظات سے مزین ہیں۔

اشرف الاولیا حیات وخدمات، بنگال اور اسلام کا تاریخی جائزہ، مطلقہ عورت کے نان ونفقہ کا شرعی حکم اور سپریم کورٹ کے فیصلے، استاذ العلما مشرقی بہار کی عبقری شخصیت وغیرہ کتب خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ قَدْرُ الْمؤ لَّف بِقَدْرِ الْمؤلِف کے تحت ہم اس گفتگو کے بعد ایک نظر آپ کی اِس اہم تالیف پر ڈالتے ہیں۔

آپ کی تازہ ترین تالیف ''**فقہ وفتاویٰ کی تدوین وتاریخ**'' زیور طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آرہی ہے، جو اپنے موضوع پر بہت ہی اہم اور گراں قدر تالیف ہے، اس کتاب میں انھوں نے بہت ہی جامعیت کے ساتھ فقہ وفتاویٰ کی تاریخ وتدوین، فقہ اسلامی کے ادوار، ائمہ اربعہ اور ان کے فقہی مسالک، تدوین فقہ کی ضرورت واہمیت، فقہاے احناف کے طبقات، فقہ وفتاویٰ کے مستند مآخذ پر عالمانہ ومحققانہ گفتگو کی ہے۔ یہ کتاب تدوین فقہ حنفی کے حوالے سے اہم اور ماخذ کی حیثیت رکھنے والی کتابوں کی خوب صورت تلخیص ہے، مؤلفِ گرامی نے کامل مہارت کے ساتھ ان مستند کتب کے طویل ترین مباحث کو مختصر اور جامع انداز میں اپنے اس رسالے میں شامل فرمایا ہے، یقینا تاریخ فقہ سے دلچسپی رکھنے والے اہل ذوق کے لیے یہ ایک قیمتی تحفہ ہے۔

ہمارے مدارس میں مختلف علوم وفنون کی تعلیم کا سلسلہ قدیم زمانے سے رائج ہے۔ علم قرآن، علم تفسیر، علم حدیث، علم اصول حدیث، علم فقہ، علم اصول اور علوم عربیہ کی تعلیم تو ہر ادارے میں ہوتی ہے، لیکن عام طور پر فنون کی تاریخ اور ان کی تدوین کے سلسلے میں آگاہی کے لیے نصاب میں کوئی مواد شامل نہیں ہوتا، حالاں کہ طلبہ کے لیے فن کی تعلیم کے ساتھ اس کی تاریخ، تدوین کے مراحل اور اس فن کے مستند مآخذ کا علم بھی ہونا ضروری ہے۔ علم فقہ کی تدریس کے ساتھ بطور مطالعہ علم فقہ کی تاریخ وتدوین کو غیر درسی نصاب کے طور پر شامل کیا جانا بھی ضروری ہے، اسی طرح دیگر فنون کے ساتھ ان کی تاریخ کے مطالعہ کو بھی نصاب کا حصہ بنانا بھی از حد لازم ہے۔ اس تناظر میں حضرت مفتی کمال الدین اشرفی مصباحی قبلہ کی اس کاوش کو نظر استحسان سے دیکھا جانا چاہیے، علم فقہ کی تدوین کے حوالے سے اس رسالے کا مطالعہ علما وطلبہ دونوں کے لیے بے حد مفید ہوگا۔

اس کتاب کی اہمیت وافادیت کے لیے یہی کافی ہے کہ عصر حاضر کے ایک جلیل

القدر محقق اور بے مثال عالم دین، عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے نظر ثانی فرمائی ہے، آپ کی باریک نظری اور علمی جاہ وجلال کا ایک زمانہ قائل ہے۔

میں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ مؤلف کی یہ تالیف بھی ان کی طرح مقبول عام وخاص ہو اور مؤلف کی حصول یابیوں کا سلسلہ اسی طرح جاری وساری رہے۔

آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

محمد ساجد رضا مصباحی

خادم درس وافتا

دار العلوم غریب نواز داہو گنج کشی نگر یوپی

۷ر ربیع النور ۱۴۴۰ھ رمطابق ۱۶ر نومبر ۲۰۱۸ء جمعہ مبارکہ

❁❁❁

اظہار خیالات

معروف صحافی وقلمکار

حضرت مولانا محمد عرفان قادری زید مجدہ

استاذ: مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن شاہی مسجد بڑا چاند گنج لکھنؤ، یوپی

حضرت مولانا مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔آپ کا تعلق صوبہ بنگال سے ہے،علمی حلقوں میں آپ کا نام ادب واحترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔موصوف جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے نامور فاضل ہیں۔درجۂ فضیلت اور تخصص فی الفقہ الحنفی کا کورس مکمل کر کے جامعہ اشرفیہ سے ۲۰۰۲ء میں فارغ ہوئے۔ ۲۰۰۵ء سے مستقل طور پر''ادارۂ شرعیہ''اتر پردیش رائے بریلی میں بحیثیت شیخ الحدیث و صدر شعبۂ افتا دینی وعلمی خدمات انجام دے رہے ہیں،آپ دینی علوم کے ساتھ عصری علوم سے بھی آراستہ وپیراستہ ہیں۔

تبلیغ دین کے تین ذرائع بہت اہم تصور کیے جاتے ہیں۔تقریر،تدریس اورتحریر، محب گرامی وقار حضرت مولانا مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی صاحب کو تینوں چیزوں میں اعلیٰ درک وکمال حاصل ہے۔موصوف جہاں درسیات پر کامل عبور رکھنے والے ماہر معلم و مدرس، بالغ نظر وہوش مند مفتی اور تقریر وخطابت کی دنیا میں دھوم مچانے والے ایک کامیاب خطیب ومقرر ہیں وہیں پر آپ بلند پایہ مصنف و مایہ ناز ادیب بھی ہیں۔قرطاس وقلم اور مضمون ومقالہ نویسی سے آپ کی دل چسپی زمانۂ طالب علمی ہی سے تھی۔لکھنے کا سلسلہ برابر جاری رکھا اور بہت جلد آپ کا شمار اہل سنت کے ممتاز قلم کاروں میں ہونے لگا۔

مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی کے نوک قلم سے اب تک درج ذیل کتابیں معرض وجود میں آچکی ہیں۔

(۱) بنگال اور اسلام ایک تاریخی ومذہبی جائزہ۔

(۲) مطلقہ عورت کے نان ونفقہ کا شرعی حکم اور سپریم کورٹ کے فیصلے۔

(۳) استاذ العلما مشرقی بہار کی ایک عبقری شخصیت۔

(۴) خصائص فتاویٰ رضویہ۔

(۵) قطب المشائخ حیات اور کارنامے۔

(۶) اشرف الاولیا حیات وخدمات۔

(۷) خطبات کمال (مصنف کی تقریروں کا مجموعہ)

(۸) اسلام میں والدین کا مقام۔

(۹) تذکرہ مشائخ کچھوچھہ۔

متذکرہ بالا کتابیں آپ کی قلمی وادبی لیاقت وصلاحیت پر اعلیٰ دلیل ہیں۔ علاوہ ازیں اہم موضوعات پر آپ کے مقالات ومضامین رسائل وجرائد اور اخبارات کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ شرعی مسائل پر مشتمل آپ کے فتاوے اس پر مستزاد ہیں۔ مفتی صاحب بانی جامعہ اشرفیہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے قول **''زمین کے اوپر کام اور زمین کے نیچے آرام''** کا مصداق بن کر تصنیفی کاموں کا دائرہ دن بدن وسیع کرتے جارہے ہیں۔

زیر نظر کتاب **''فقہ اور فتاویٰ کی تدوین وتاریخ''** موصوف کے انہیں تصنیفی سلسلے میں اضافہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ موصوف نے اس کتاب میں افتا کی لغوی واصطلاحی تعریف، مفتی کی قسمیں، فتویٰ کے اقسام، فتویٰ کی مختصر تاریخ اور مشاہیر مفتیان کرام، مجتہدین صحابہ، مختلف بلاد اسلامیہ میں علم فقہ کا فروغ، فقہ اسلامی کے مختلف ادوار، ائمہ اربعہ اور ان کے فقہی مسالک ومکاتب، امام اعظم ابوحنیفہ اور تدوین فقہ، حنفی فقہا اور کتب احناف کے طبقات، موجودہ دور میں فقہ حنفی کی مآخذ ومستند کتابیں، (متون، شروح اور فتاویٰ) کتب فتاویٰ بزبان اردو، فتاویٰ کی ادبی ولسانی اور تاریخی حیثیت، فتاویٰ نویسی کے کچھ بنیادی اصول جیسے ۴۷؍ عناوین پر محققانہ اور سہل ترین انداز میں اپنی معلومات کو صفحۂ قرطاس پر اتارا ہے۔

مفتی صاحب نے عہد رسالت، عہد صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین میں فقہ وفتاویٰ کی تدوین وتاریخ اورضرورت واہمیت پر جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ پھر اس کے بعد کے ادوار کا سلسلہ وار جائزہ پیش کیا ہے۔

''**کتب فتاویٰ بزبان اردو**''اس ضمن میں ہندوستان کے اندر سلاطین اسلام کے عہد سے زمانۂ حال تک کے مشہور ومستند کتب فتاویٰ کا تذکرہ کیا ہے۔'' فتاویٰ کی ادبی ولسانی اور تاریخی حیثیت''عنوان پر مفتی صاحب نے کئی جہت سے فتاوے کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے اس بات پر توجہ دلائی ہے کہ علماومفتیان کرام کی سوانح حیات مرتب کرنے میں ان کی فقہی کاوش سے مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ ایسا پہلو ہے جس پر فن سوانح نگاری میں ابھی تک توجہ نہیں دی گئی ہے۔

دینی شعبوں میں فتویٰ نویسی انتہائی اہم کام ہے۔ یہ کام اسی کو انجام دینا چاہیے جو شخص اس شعبے میں مہارت رکھتا ہو۔لیکن آج کے دور میں مفتی بننے کی ہوڑ لگی ہوئی ہے، ہر کس و ناکس اپنے کو مفتی باور کرا رہا ہے۔ دوسری طرف حالات زمانہ اور اصول افتا سے ناواقف بہت سے ایسے مفتی بھی پائے جاتے ہیں بطور خاص غیر اہل سنت میں جن کے فتووں سے فتویٰ کا وقار تو مجروح ہوتا ہی ہے اکثر و بیشتر اسلام ومسلمانوں کی رسوائی بھی ہوتی ہے۔ اس تناظر میں مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی نے کتاب کے شروع میں اپنے استاذ محقق مسائل جدیدہ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ کا فتویٰ نویسی کے حوالے سے ۱۱/اصولوں پر مبنی نہایت مفید اور کارآمد تحریر کو شامل کیا ہے۔

موصوف کی خصوصیت یہ ہے کہ جس عنوان پر قلم اٹھاتے ہیں اس کے تمام گوشوں پر انتہائی جا معیت اور سلاست کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں۔ اچھے قلم کار کی خاصیت بھی یہی ہوتی ہے کہ قا ری اس کی تحریر بلا جھجھک پڑھتا چلا جائے اور اسے تھکن واکتاہٹ کا احساس نہ ہو۔ یہ تمام تر خصوصیات مصنف علام کی اس کتاب میں بھی موجود ہیں۔ حضرت مصنف نے موضوع کے تما م تر گوشوں کا احاطہ کرنے کی نہایت کامیاب کوشش کی ہے۔ میں اپنے مطالعہ اور معلومات کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ حضرت مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی صاحب کی یہ کتاب طلبائے علوم دینیہ کے لیے عموماً اور فقہ وفتاویٰ سے شغف رکھنے

والے مفتیان کرام وریسرچ اسکالرس کے لیے خصوصاً نشان راہ ثابت ہوگی۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزا اپنے پیارے حبیب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ وطفیل اس اہم کتاب کو مقبول فرمائے اور حضرت مصنف وناشرین کو دارین کی سعادتوں وبرکتوں سے مالا مال فرمائے آمین۔

محمد عرفان قادری

خادم تدریس وصحافت

مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن شاہی مسجد بڑا چاند گنج لکھنؤ

۵ رربیع النور شریف ۱۴۴۰ھ ۱۴ رنومبر ۲۰۱۸ء

❁❁❁

مشاہدات

فاضل محقق

حضرت مولانا مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی پورنوی

صدر مفتی: نوری دارالافتا، بھیونڈی وشیخ الحدیث: الجامعۃ الرضویہ،کلیان، مہاراشٹر

تاریخ نویسی ایک مستقل فن ہے، جس میں دینی و مذہبی، تعلیمی وثقافتی، ملکی وسیاسی، سماجی و معاشرتی غرض کہ انسانی زندگی سے متعلق عروج و زوال کو حقیقت پسندی، دیانت داری اور غیر جانب داری کے ساتھ قلم بند کیا جاتا ہے- لیکن اگر تاریخ اپنے مذکورہ اصول پر قائم نہ ہو بلکہ ایک درجہ بھی نقطہ اعتدال سے منحرف ہو جائے تو پھر وہ تاریخ، تاریخ نہیں بلکہ تحریف کہلاتی ہے۔ اس لیے مؤرخ خواہ وہ کسی بھی مذہب کا علم بردار ہو، ان کے لیے حقانیت وصداقت کے اصول پر کاربند رہنا ناگزیر ہوجاتا ہے- چناں چہ یہ فن تاریخ کے اصول و تقاضے پہ قائم رہتے ہوئے مذہبی وملکی تمام امور وکوائف اور سرگرمیوں وکارکردگیوں کو حوالہ قلم کرتا ہے۔

تاریخ کی ضرورت واہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، یہ نسل نو کو ماضی کے اوراق پریشاں کو کھنگالنے اور اس کے نشیب وفراز وکمال وزوال کو جاننے کے لیے ایک دستاویزی حیثیت فراہم کرتی ہے۔ یہ فن منیف اگر وجود پذیر نہ ہوتا تو ہم اپنے دینی و مذہبی سرمایے، علمی وفکری کارنامے، تحریری وقلمی خزانے اور بے شمار تعمیری وترقی اثاثے تک رسائی حاصل نہ کر پاتے۔ یہ تاریخ ہی کی مرہون منت ہے کہ آج ہم اپنے اسلاف واکابر کے فضائل

ومناقب، اوصاف وکمالات، خدمات وتعلیمات، واقعات وحادثات، معمولات وروایات، معلومات وملفوظات، تعمیرات واحسانات اوران کی ہمہ جہت شخصیات سے واقف ہیں، ورنہ ہم ان چیزوں سے نابلداور ناآشنا ہوتے۔

ہر دور کے حالات ومقامات کومرتب ومدون کرنے کا قدیم دستور رہا ہے، جس ضمن میں تاریخ کی اہم اور قیمتی کتابیں بھی منصہ شہود میں آئیں اور ملی و مذہبی تاریخ کے لیے مأخذ ومصادر کی حیثیت اختیار کیں۔ دور حاضر میں بھی تاریخ نویسی میں دل چسپی کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے، جو ایک خوش آئند اقدام کہا جا سکتا ہے اور اس کی سخت ضرورت بھی ہے، ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری دینی وعلمی تاریخ محض ایک قصہ پارینہ بن کر رہ جائے۔

علوم شرعیہ میں فقہ اور فتاویٰ کی اہمیت وافادیت مسلم الثبوت ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں، فقہ اور فتاویٰ ہی جمیع علوم شرعیہ کا ماحصل اوران کا قیمتی مجموعہ ہیں، دنیاوی اور اخروی منافع ومضاران کے جاننے اوران کے مطابق عمل کرنے پر منحصر ہیں، معاش ومعاد کے کاروبار اور نفع وضرر کا علم انہیں کے ساتھ وابستہ ہے اسی لیے اکابر مجتہدین فقہا اورائمہ دین نے حسبۃ للہ اسی کے ساتھ مشغولی رکھی، اسی کا ثمرہ اور نتیجہ ہے کہ آج اہل اسلام حلال وحرام، جائز وناجائز، فاسد وباطل اور فرض وواجب کے احکام بلا تکلف کتب فقہ کی مدد سے معلوم کر لیتے ہیں۔

زیر نظر کتاب ''فقہ وفتاویٰ کی تدوین وتاریخ'' اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی اوراپنے موضوع پر لکھی ہوئی ایک تازہ اور اہم ترین تصنیف ہے، بلاشبہ فقہ وافتا سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ ایک نہایت ہی قیمتی اور انمول تحفہ ہے، مولف کتاب نے فقہ وافتا کی تدوین وتاریخ سے متعلق تمام گوشوں کو جدید اسلوب تحقیق، عصری تقاضے اور خوب صورت توازن کے ساتھ جس طرح جمع کر دیا ہے یہ انہیں کا خاصا ہے، اس کتاب کے مطالعہ کرنے والوں کی نگاہ میں فقہ وافتا کے عروج وارتقا کے مختلف ادوار، اس سے متعلق دیگر اہم اور بنیادی معلومات اوراس کا پورا تاریخی پس منظر سامنے آجاتا ہے، بلاشبہ اہل علم وتحقیق کے لیے یہ کتاب دعوت مطالعہ اور بیش بہا ذخیرہ ہے۔

کتاب کے مؤلف محب گرامی مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی ہیں جو ۲۰۰۲ء

میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے تحقیق وافتا کی سند وفراغت کے بعد سے ۲۰۰۵ء تک مخدوم اشرف مشن پنڈوہ شریف ضلع مالدہ بنگال میں صدرالمدرسین، شیخ الحدیث اور صدر شعبۂ افتا کی حیثیت سے دین متین کی خدمات انجام دے کر ۲۰۰۶ء سے ادارۂ شرعیہ اتر پردیش رائے بریلی (ملحقہ یوپی گورنمنٹ) میں بحیثیت مدرس وصدر مفتی دین کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

میں اب تک یہی سمجھ رہا تھا کہ موصوف برصغیر کی معروف درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے فارغ ہونے والے ایک باصلاحیت وذی شعور مصباحی عالم وفاضل اور اتر پردیش مدرسہ ایجوکیشن بورڈ لکھنؤ سے، منشی، کامل، مولوی، عالم، فاضل ہیں؛ لیکن آپ کی ایک خودنوشت سوانح سے یہ انکشاف ہوا کہ اتر پردیش مدرسہ ایجوکیشن بورڈ لکھنؤ سے فاضل دینیات، فاضل معقولات، فاضل ادب اور فاضل طب کی سندیں حاصل کرنے کے بعد ریاست اتر پردیش کی معروف عصری دانش گاہ شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ سے بی اے (B.A) پروانچل یونیورسٹی، جون پور یوپی سے ایم اے انگلش، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد سے ایم اے اردو اورقومی کونسل برائے فروغ اردو دہلی سے ڈپلوما بھی کر چکے ہیں، جو قابل فخر بات ہے- یہ سندیں بلاشبہ آپ کا علمی وقار بڑھاتی ہیں اور اپنے ہم عصر علما میں یک نمایاں حیثیت عطا کرتی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالی نے جہاں انہیں علم وادب، فقہ وافتا، فہم وتدبر، تحریر وقلم اور تقریر و تبلیغ کا ذوق عطا فرمایا ہے، وہیں اخلاص وللہیت اخلاق وکردار، محنت ولگن، جد وجہد اور عزم واستقلال کی دولت لازوال سے بھی نوازا ہے، اسی کا ثمرہ ہے کہ موصوف جہاں بھی قیام کرتے ہیں، وہاں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، وہ میرے رفیق درس رہے ہیں، اس لیے میں انہیں تقریباً ۱۹۹۶ء سے جانتا اور پہچانتا ہوں، موصوف کو زمانۂ طالب علمی ہی سے پڑھنے لکھنے کا ذوق فرواں حاصل تھا، ان کی قلمی کاوشوں کو دیکھنے بعد اندازہ ہوتا ہے اب وہ اس میدان کے شہسوار بھی بن چکے ہیں، ان کو عمر سے زیادہ کام کرنے کا دھن سوار رہتا ہے۔ علمی، عملی، تدریسی، تصنیفی، اور تبلیغی میدانوں میں کام کرکے ارباب علم ودانش سے داد تحسین وتبریک بھی وصول کر چکے ہیں، یہاں تک کہ آپ کی تحریری صلاحیتوں کے اعزاز

واعتراف میں ۲۰۰۸ء میں دارالعلوم محمدیہ ممبئی کی جانب سے آپ کو ''اشرف العلما ایوارڈ'' بھی سے نوازا گیا ہے۔

آپ کی قلمی خدمات میں:

☆ دوجلد غیر مطبوعہ مجموعہ فتاوی۔

☆ ۷۰ رمقالات ومضامین کا ایک ذخیرہ۔

☆ اشرف الاولیا حیات وخدمات۔

☆ استاذ العلما مشرقی بہار کی ایک عبقری شخصیت۔

☆ بنگال اوراسلام ایک تاریخی جائزہ۔

☆ اسلام میں والدین کا مقام۔

☆ تذکرۂ مشائخ کچھوچھہ۔

☆ تجلیات رمضان۔

☆ خصائص فتاوی رضویہ۔

☆ خطبات کمال ۲ رجلدوں میں۔

☆ مطلقہ عورت کے نان ونفقہ کا شرعی حکم اور سپریم کورٹ کے فیصلے۔

☆ قطب المشائخ حیات اور کارنامے جیسی کتابیں آپ کی قلمی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔آپ تعمیری ذہن اور تحریکی مشن میں بھی پیش پیش رہتے ہیں، آپ کے آفاقی خیالات ہی کا ثمرہ ہے کہ آپ غریب نواز آرگنائزیشن، سنگتام سکّم، سنی حنفی ایسوسی ایشن، رنگ پو سکّم، کے بانی، آل انڈیا صوفی آرگنائزیشن رائے بریلی، تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور اور کلچرل کلب سلّی گوڑی کے معتمد خاص اور رکن ہیں، جب کہ جامعہ مخدومیہ حسن پورہ، عشری، سیوان بہار کے ناظم تعلیمات بھی ہیں، بلاشبہ یہ ساری علمی اور عملی خدمات کی صداقت قارئین کو زیر نظر کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوجائے گی۔

موصوف شیخ المشائخ اشرف الاولیا حضرت سید شاہ مجتبیٰ اشرف اشرفی جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت ضرور رکھتے ہیں مگر تمام سلاسل کے علما ومشائخ سے بھی بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں، جہاں ہوتے ہیں بہت جلد عوام وخواص کی نظروں میں محبوب ومقبول ہو

جاتے ہیں، اب تک تو صرف درس وتدریس،تصنیف تالیف اور فقہ وافتا کے افق پر گردش کر رہے تھے مگر اب چند برسوں سے تقریر وخطابت اور تحریک وتبلیغ کے میدانوں میں بھی کافی آگے بڑھ چکے ہیں اوران کے یہ کارنامے ہندوستان ہی میں محدود نہیں ہیں بلکہ بیرون ملک مثلا نیپال، بھوٹان، چین میں بھی دعوتی وتبلیغی دورے کرتے رہتے ہیں۔

اخیر میں دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ موصوف کی دینی، علمی، تصنیفی وتالیفی اور دعوتی وتبلیغی تمام خدمات کو قبول فرمائے اوراپنی بارگاہ سے ان سب کا اجر جزیل عطا فرمائے، نیز مولف موصوف کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال کرے۔

غبارِ راہ مدینہ

محمد مبشر رضا ازہر مصباحی

صدر مفتی: نوری دارالافتا، بھیونڈی

شیخ الحدیث: الجامعۃ الرضویہ، کلیان، مہاراشٹر

یکم ربیع الاول ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۰ر نومبر بروز شنبہ

❁❁❁

تقریظ جمیل

ماہر توقیت

حضرت علامہ مفتی محمد رفیق الاسلام نوری مدظلہ العالی

صدر مفتی وشیخ الحدیث: جامعہ شکوریہ بلہور، کانپور، یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

ابتدائے اسلام سے آج تک دینی فتاوے کے نام پر وہ عظیم دینی وعلمی معدنیات جو بے مثیل اور انمول سرمایہ کی صورت میں ہماری ملت بیضا کے پرکشش خزانے میں موجود ہیں اور ہمیں اپنے اسلاف سے وراثت میں ملے ہیں یہ دور ترقی بھی جن کی نظیر تو کیا عشر عشیر بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ان کے محافظوں کے نام پر جہاں ایک طرف وہ مفتیان کرام ہمارے لیے قابل قدر اور باعث صد افتخار ہیں جن کی محنت شاقہ، جانفشانی اور عرق ریزی سے اس لازوال دولت کے ذریعہ ہم آج اغیار کی نظروں میں بھی اہل ادیان کے درمیان بحمدہ تعالیٰ اہل ثروت بنے ہوئے ہیں۔

وہیں دوسری طرف اس حقیقت سے چشم پوشی بھی دیانت کے خلاف ہوگا کہ ہر دور میں احکام شرعیہ کے بالمقابل کسی نہ کسی ایسے منظم گروہ کا بھی مسلمانوں کو سامنا ہوتا رہتا ہے جن کے بے لگام قلم سے قوانین شرع کا تقدس لہولہان نظر آتا ہے۔

علم تو اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم نعمت ہے جو اس کے کچھ بندوں کے پاس اس کی امانت ہے، اس امانت میں خیانت کی جرأت وہی کرے گا جو اس کے جاہ وجلال سے بیباک اور یوم الجزا سے بے خبر ہوگا۔

تاریخ فتاویٰ کے ان زریں ابواب کو فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے جب ایک مفتی کے نقوش قلم کی ہیبت سے زمانے کے بادشاہوں پر بھی لرزہ طاری رہتا تھا لیکن افسوس صد افسوس کہ اگر وہی قلم جھوٹی عظمت وشہرت، زروجواہر کے سامنے لاچار اور بے بس نظر آئے تو پھر یقینا ہمارے لیے یہ وجہ ندامت ہے۔

ایسے ملت فروشوں کو تاریخ عدل وانصاف معاف نہیں کرتی ہے اور آنے والی نسل محرمات الٰہیہ کی پاسبانی کرنے والے ایک مفتی کو جہاں شرعی حدود کا نگہبان مانتی ہے وہیں دوسری طرف تقاضۂ محرمات سے بے خبر دوسرے مفتی کو ملت فروشی کا نشان قرار دیتی ہے۔ کہ ایک نے اللہ کی امانت میں دیانت کا ثبوت دیا ہے جبکہ دوسرے نے اس میں خیانت کی جرأت کی ہے۔

فتویٰ نویسی یقینا کوئی آسان کام نہیں نہ صرف لغت کی مدد سے مسائل شرعیہ کو حل کیا جاسکتا ہے اور نہ صرف لسانی مہارت سے کوئی اس عظیم منصب پر فائز ہوسکتا ہے، ورنہ ہر عربی داں مفتی ہوتا اور ہر انگریزی داں انجینیر نظر آتا، پھر جب معاملہ ادلۂ شرعیہ سے متعلق ہو تو اس کی اہمیت اور بھی اعلیٰ وبالا ہوجاتی ہے اس لیے تو دیکھا گیا ہے کہ وہ حضرات جن کی زبان میں قرآن آیا، جن کی زبان میں حدیثیں موجود ہیں وہ بھی ایک دوسرے سے آیت وحدیث کا مفہوم دریافت کررہے تھے۔

لہٰذا ادلۂ شرعیہ کے مراتب کے ساتھ ان کے ورود کے احوال وکوائف کی معرفت کے بغیر دارالافتا کے مسند جلیلہ پر تمکن خطرات سے خالی ہرگز نہیں، بلکہ اس میں تو مہلک حادثات کا قوی اندیشہ ہے۔

احکام فقہ بتانے میں جن اصول پر فوری توجہ کی ضرورت ہے ان کے بارے میں سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا نے فرمایا:

الادلة السمعية تسعة اقسام لان لها طرفين الثبوت والاثبات وكل

على ثلثة وجوه القطع والظن والشك،خمسة منها وهي ما في احد طرفيها شك لا يثبت فوق سنية اوندب وان اشتملت على طلب جازم والاربعة البواقي كذالك ان اشتملت على طلب غير جازم والا فان كان كلا الطرفين قطعيا ثبت الافتراض والا فالوجوب، اوراسی کے مقابلہ میں بحسب المراتب منہیات ہیں۔

ظاہر ہے کہ ادلۂ سمعیہ کے فرق مراتب سے نا آشنائی ہمیں کبھی منہ کے بل بھی گراسکتی ہے۔

مجھے آج اس کتاب کو دیکھ کر بڑی مسرت ہو رہی ہے جو ابھی ''فقہ وفتاویٰ کی تدوین وتاریخ'' کے نام سے میرے ہاتھوں میں موجود ہے، فاضل جلیل حضرت علامہ مفتی محمد کمال الدین صاحب اشرفی مصباحی زادہ اللہ علما وعملا وفضلا وکرما وصحۃ وعمرا نے جس کی تصنیف فرمائی ہے، اس کے کچھ اوراق میں نے دیکھے جن سے مفتی موصوف کے تفکر وتدبر اور علم وفضل میں مقام رفیع کا پتہ چلتا ہے، دور حاضر کے فتاوے پر حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں:

''آج کل اس فن کو لوگ آسان سمجھنے لگے ہیں کہ ہر مدرسہ والے دارالافتا کا بورڈ لگا کر کسی کو مفتی بنا کر بٹھائے ہوئے ہیں جن میں اکثر کے فتاوے دیکھ کر بے انتہا افسوس ہوتا ہے الخ''، حقیقت میں یہ مفتی صاحب کا قلبی اضطراب ہے جو نقوش کی شکل میں ظاہر ہوا کہ ان فتاوے کو دیکھ کر افسوس کے علاوہ کیا کر سکتے ہیں۔

ماشاء اللہ آپ کی یہ کتاب صرف جامع ہی نہیں بلکہ مفید بھی ہے کہ ان میں فتاوے کی تاریخ، ان کی قسمیں اور مراتب کے ساتھ مفتیوں کے اقسام اور ان کے طبقات کی بھی کافی ایسی ایسی مفید جانکاریاں موجود ہیں کہ دور رواں کو جن کی اشد ضرورت ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کو مقبول انام بنائے۔ آمین!

محمد رفیق الاسلام نوری منظری
خادم افتا: جامعہ شکوریہ بلہور، کانپور، یوپی
۶؍ربیع النور سنہ ۱۴۴۰ھ

❁❁❁

تقدیم

محقق رضویات

حضرت علامہ مفتی محمد عیسیٰ رضوی قادری مدظلہ العالی

صدر مفتی و شیخ الحدیث: الجامعۃ الرضویہ مظہر العلوم گرسہائے گنج، ضلع قنوج، یوپی

فقہ وفتاویٰ کی تاریخ اتنی ہی قدیم اور پرانی ہے جتنی دین اسلام کی تاریخ قدیم ہے۔ اس کا مرکز ومحور قرآن وحدیث اور ذات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔حضور کی ذات اقدس منبع فقہ اور حضور کے اقوال وارشادات سرچشمہ فتاویٰ ہیں۔قرآن کریم میں ضابطہ حیات، زندگی کے آئین واصول، خدائی احکام وفرامین اور عبادت وبندگی کے قوانین موجود ہیں مگر ہر شخص اس سے اخذ مسائل نہیں کرسکتا نہ اسے کما حقہ سمجھ سکتا ہے۔صحابۂ کرام اہل زبان تھے اسکے باوجود وہ ہر مسئلے کا استخراج واستنباط قرآن کریم سے نہیں کرسکتے بلکہ پیش آمدہ مسئلے کے حل کیلئے وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے اور براہ راست حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار کرتے، اس مسئلے سے متعلق اگر قرآن عظیم اور خدائی حکم نازل ہو چکا ہوتا تو اس کا جواب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فوراً ارشاد فرمادیتے ورنہ نزول وحی کے بعد جواب دیا جاتا۔وحی کا نزول کبھی مسائل کے سوال کے فوراً بعد ہوجاتا اور کبھی کچھ تاخیر کے بعد ہوتا، ہرصورت میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام حکم خداوندی کے پابند ومطیع تھے اپنی خواہش ومرضی سے کچھ نہ بتاتے بلکہ حضور کا تکلم، حضور کی گفتگو، حضور کی بول چال، حضور کا بیان وارشاد وحی الٰہی کے تناظر میں ہوتا یا الہام ربانی کے مطابق۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی، (النجم، ۳) ترجمہ: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انھیں کی جاتی ہے۔(کنزالایمان)

عہد رسالت میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضور سید عالم ﷺ کے طرز عمل کے مطابق حضور کو دیکھ دیکھ کر عمل کرتے اور اگر کوئی نئی بات یا جدید واقعہ درپیش ہوتا تو اس کا حل انھیں بارگاہ رسالت سے بآسانی مل جاتا، کسی جدید مسئلے کو حل کرنے کیلئے انھیں کسی طرح کی مشکلات ودشواری کا سامنا کرنا نہیں پڑتا۔ اسی لیے اس دور میں انھیں کسی کتاب کی جمع وترتیب یا فقہ وفتاوی کی تدوین کی ضرورت نہ پڑی۔ عہد رسالت کے بعد صحابہ اور تابعین کا جو روشن ودرخشاں دور تھا اس میں بھی انھیں کسی کتاب یا تدوین احکام کی حاجت محسوس نہ ہوئی کیونکہ ان کی نگاہوں کے سامنے حضور کا اسوۂ حسنہ تھا اور وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر بھی عمل کرتے تھے۔ اور اگر جدید حوادث وواقعات ظاہر ورونما ہوتے تو وہ ان کے حل کے لیے قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات واقوال کی طرف رجوع کرتے اور مجلس شوریٰ بھی منعقد کرتے تھے یہاں تک کہ پیش آمدہ مسئلے کا حل آفتاب نیمروز کی طرح روشن وواضح ہوجاتا۔ اگر یوں بھی مسئلے کا حل سامنے نہ آتا تو مجتہدین صحابہ یا مجتہدین تابعین قرآن واحادیث سے استخراج واستنباط کرتے بالآخر مسئلہ حل ہوجاتا۔ صحابہ وتابعین کے سامنے اس طرح کے مرحلے آئے اس کے باوجود انھوں نے کوئی کتاب ترتیب نہیں دی یا فقہ وفتاوے کے اصول وضوابط مرتب نہ کیے۔ میرے خیال میں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انھیں اپنے حافظے اور قوت یادداشت پر وثوق واعتماد تھا انھوں نے حضور سے جو سنا تھا یا حضور کو کچھ کرتے دیکھا تھا وہ ان کے حافظے اور خزانۂ خیال میں نقوش انمٹ کی طرح محفوظ تھا اسی کی روشنی میں وہ دینی ودنیاوی امور ومعاملات میں رہنمائی حاصل کرتے تھے، اسی لیے انھوں نے کوئی ایسا دستور مرتب نہ کیا نہ کوئی ایسی دستاویز چھوڑی جس کی روشنی میں مسلمانوں کے مسائل حل کیے جاتے۔

یہ حقیقت بھی ناقابل تردید ہے کہ صحابہ وتابعین کا حافظہ بے پناہ قوی اور ان کا ذہن بے انتہا تیز تھا۔ احادیث کریمہ کا جو ذخیرہ آج ہم تک پہنچا ہے وہ ان کے قوت حافظہ اور ان کی ذکاوت وذہانت ہی کا کمال ودین ہے، ورنہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ارشادات واقوال دیکھنے اور سننے سے محروم رہ جاتے اور شریعت مطہرہ کے قوانین واحکام بھی ہم تک حسن وخوبی اور حزم واحتیاط کے ساتھ نہ پہنچتے۔ صحابہ وتابعین کا امت مسلمہ پر یہ بہت بڑا احسان ہے۔

عہد صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین میں ایسے عظیم ونامور ائمہ فقہ اور جلیل القدر ائمہ حدیث پیدا ہوئے جنکی مساعی جمیلہ اور کدوکاوش سے تدوین حدیث بھی ہوئی اور تدوین فقہ وفتاوی بھی، تدوین حدیث کی طرح اگر فقہ اور کتب فقہ کی تدوین وترتیب نہ ہوتی تو امت کے لیے راہ عمل کا تعین مشکل ودشوار ہوجاتا ہر شخص اپنی مرضی وخواہش کے مطابق عمل کرتا پھر لوگ شریعت کو طبیعت پر ڈھال لیتے اور شریعت بازیچۂ اطفال بن جاتی۔ چونکہ ہر کس و ناکس براہ راست قرآن وحدیث پر عمل کرنے کا اہل نہیں ہے نہ ہر شخص کامل طور پر قرآن و حدیث کو سمجھنے کا دعوی کرسکتا ہے اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ائمہ ومجتہدین کو پیدا فرمایا انھوں نے قرآن وحدیث سے استخراج مسائل کر کے امت کے لیے عمل کا راستہ آسان کردیا۔

یہ امر بھی مسلم ہے کہ جب کبھی تدوین فقہ کی بات آتی ہے یا ائمہ مجتہدین کا تذکرۂ جمیل آتا ہے تو کسی کا نام اگر مطلع انوار بن کر سطح ذہن پر ابھرتا ہے تو وہ سراج امت رأس الفقہا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی ہے کیونکہ ائمہ اسلام میں اگر کسی نے تدوین فقہ اور اجتھاد کی راہ میں سبقت وپہل اور شتابی کی ہے تو وہ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت ہیں اسی لیے آج دنیا بھر میں جتنے لوگ ائمہ اربعہ کی تقلید وپیروی کرتے ہیں ان میں غالب واکثریت حنفیوں کی ہے۔

فقہ وفتاوی کی تدوین وترتیب اور اس کی تاریخ جاننے والوں پر یہ ظاہر وعیاں ہے کہ فقہ اپنی وسعت وجامعیت کے اعتبار سے زندگی کے تمام مسائل پر حاوی ہے۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک اگر چہ فقہ کے بعض مسائل مدون ہو چکے تھے لیکن اسے باقاعدہ ایک کامل دستور اور جامع قانون کی حیثیت حاصل نہ تھی، اس وقت تک نہ تو استدلال واستنباط مسائل کے قواعد مقرر ہوئے تھے نہ ہی ایسے اصول وضوابط طے ہوئے تھے جن کی روشنی میں احکام کی تفریع کی جاتی۔

بارہا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکومت کے قاضیوں اور حکام کو فیصلوں میں غلطیاں کرتے دیکھا، یہ بھی تدوین فقہ کا ایک سبب تھا۔ نیز تمدن میں وسعت کی وجہ سے روز بروز نئے مسائل پیدا ہوتے جارہے تھے، اطراف وبلاد سے آنے والے سینکڑوں استفتا امام

اعظم کی خدمت میں پیش ہونے لگے تو آپ نے یہ ارادہ کیا کہ احکام ومسائل کے وسیع وکثیر جزئیات کو اصولوں کے ساتھ ترتیب دے کر ایک جامع فن کی شکل دے دی جائے تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے اسلامی دستور مشعل راہ بن جائے۔

چنانچہ آپ نے تدوین فقہ کے عظیم کام کے لیے اپنے شاگرد وتلامذہ میں سے چالیس نامور وباکمال افراد کا انتخاب کیا جو اپنے اپنے فن کے ماہر تھے اور ایک دستوری کمیٹی تشکیل دی۔ یہ سب ائمہ حضرات درجۂ اجتھاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ ان اراکین کمیٹی میں امام ابو یوسف، امام داؤد طائی، حضرت یحیی بن ابو زائدہ، حضرت حفص بن غیاث اور حضرت عبداللہ بن مبارک کو روایت اور حدیث وآثار میں خاص کمال حاصل تھا۔ حضرت قاسم بن معن اور امام محمد عربیت اور ادب میں مہارت رکھتے تھے جب کہ امام زفر قوت استنباط میں مشہور تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

افراد کے انتخاب میں اس بات کا خیال رکھا گیا کہ جو لوگ قانون کے علاوہ دیگر علوم اور معاملات کے ماہر ہوں انھیں بھی مجلس کا رکن بنایا جائے۔ غرض مختلف صلاحیتوں کے ماہرین کو اس مجلس میں جمع کیا گیا۔ چونکہ فقہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق مسائل پر مبنی ہے اس لیے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف علوم وفنون کے ماہرین کو جمع کیا اور ان کی معاونت سے اسلامی قوانین کو مرتب کرنے میں مصروف ہو گیے۔

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مسند پر رونق افروز ہوتے، آپ کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا اور اس مسئلہ پر آپ کے تلامذہ گفتگو کرتے، بعض اوقات بحث وتمحیص میں ان کی آوازیں بلند ہونے لگتیں اور دیر تک بحث ہوتی رہتی۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت خاموشی سے ان کی گفتگو سنتے رہتے، پھر جب آپ گفتگو شروع کرتے تو ہر طرف خاموشی چھا جاتی، ہر سمت سکوت رہتا۔

ایک دن امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی مسئلہ پر گفتگو فرما رہے تھے اور یہ سب حضرات خاموش بیٹھے سن رہے تھے، ایک شخص نے یہ منظر دیکھ کر کہا، پاک ہے وہ ذات جس نے امام اعظم ابوحنیفہ کے لیے ان حضرات کو خاموش کرایا۔ (مناقب للموفق، ص: ۴۱۲)

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ اپنے تلامذہ سے بحث کرتے، کبھی

آپ کے اصحاب دلائل سن کر آپ کی بات مان لیتے اور کبھی آپ کے دلائل کے مقابل اپنے دلائل پیش کرتے۔ امام اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے طریقہ کار پر یوں تبصرہ کرتے ہیں، جب اس مجلس کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو اس کے اراکین اس مسئلے کو اس قدر گردش دیتے ہیں اور اس کے ہر پہلو کا اس قدر غور سے جائزہ لیتے ہیں کہ بالآخر اس کا حل روشن ہوجاتا ہے۔ (مناقب کردری، ج:۲،ص:۳)

علامہ موفق لکھتے ہیں، امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مذہب کی اساس و بنیاد اپنے شاگرد و تلامذہ کی شوریٰ پر رکھی اور ان پر اپنی رائے مسلط نہ کی۔ اس سے آپ کا مقصد دین میں احتیاط اور خدا اور سول جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پر خلوص تعلق میں انتہائی حد تک کوشاں رہنا تھا۔ آپ ایک مسئلہ پیش کر کے اپنے تلامذہ کی رائے سنتے پھر اپنا نظریہ بیان فرماتے۔ ضرورت ہوتی تو ایک ماہ یا زیادہ عرصہ بحث ہوتی، یہاں تک کہ جب کسی قول پر آکر بات ٹھہر جاتی تو امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے اصول میں درج کر لیتے اس طرح انھوں نے سب اصول تحریر کر لیے۔ (حیات امام ابوحنیفہ،ص:۱۴۱)

خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں بحث شروع ہوجاتی اور امام عافیہ اسوقت موجود نہ ہوتے تو امام اعظم فرماتے اس بحث کو عافیہ کے آنے تک ختم نہ کرو۔ جب عافیہ آجاتے اور وہ سب کی رائے سے متفق ہوجاتے تو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے اب اس مسئلہ کو لکھ لو۔ (تاریخ بغداد، ج:۱۲،ص:۱۰۸)

ان چالیس ارکان میں سے دس یا بارہ ائمہ کی ایک اور خصوصی مجلس تھی جس میں امام اعظم کے علاوہ امام ابو یوسف، امام زفر، داؤد طائی، عبداللہ بن مبارک، یحیی بن زکریا، حبان بن علی، امام مندل بن علی، عافیہ بن یزید، علی بن مسہر، علی بن ظبیان، قاسم بن معن اور اسد بن عمرو شامل تھے۔ یہ لوگ فیصلے کو حتمی شکل دیتے پھر اسے تحریر کر دیا جاتا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔

دستور اسلامی کی تدوین و ترتیب کا یہ عظیم الشان کام ۱۲۱ھ میں شروع ہوا اور کئی سال جاری رہا یہاں تک کہ امام اعظم کی اسیری کے ایام میں بھی یہ کام جاری تھا۔ اس دستور کے جتنے اجزا تیار ہوجاتے ساتھ ہی ساتھ انھیں شائع کر دیا جاتا۔ یہ مجموعہ **''کتب فقہ ابی حنیفہ''** کے نام سے مشہور ہوا۔

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراسی ہزار (۸۳۰۰۰) مسائل طے کیے ان میں سے اڑتیس ہزار (۳۸۰۰۰) عبادات سے متعلق اور دیگر پینتالیس ہزار (۴۵۰۰۰) مسائل معاملات سے متعلق تھے۔ (ذیل الجواہر، ج:۲،ص:۴۷۲)

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنے شاگردوں کو تدوین فقہ کا اس قدر ماہر بنادیا تھا کہ یہ کام آپ کے وصال کے بعد بھی جاری رہا۔

ایک شخص نے امام وکیع سے کہا ''امام ابوحنیفہ سے غلطی ہوئی'' تو امام وکیع ابن جراح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غلطی کیسے کر سکتے ہیں جب کہ ان کے ساتھ امام ابو یوسف اور امام زفر جیسے فقہ کے امام تھے۔ اور یحیی بن زکریا، ابن زائدہ، حفص بن غیاث، امام حبان، امام مندل جیسے محدثین تھے اور قاسم بن معن جیسے لغت و عربیت کے ماہر تھے اور داؤد طائی و فضیل بن عیاض جیسے زہد و تقویٰ کے امام موجود تھے۔ تو جس کے ساتھی ایسے لوگ ہوں اس سے خطا کیوں کر ممکن ہے کیونکہ اگر وہ غلطی کرتے تو یہ لوگ ان کو حق کی طرف لوٹا دیتے۔ (الخیرات الحسان، ص: ۱۰۰۔ کراچی)

امام وکیع کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تدوین فقہ میں جو لوگ شریک تھے وہ سب علم و فضل کے اعتبار سے استاد زمانہ اور مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے۔ ان اکابر امت نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقہی بصیرت اور مجتہدانہ رہنمائی میں فقہ حنفی کی تدوین کر کے اسے مذاہب ثلثہ (مالکی، شافعی، اور حنبلی مذاہب) کے لیے نشان راہ اور سنگ میل بنادیا۔

فقہا نے کیا خوب فرمایا ہے، فقہ کا کھیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بویا۔ حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے سیراب کیا، حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے کاٹا۔ حضرت حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا اناج جدا کیا، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے پیسا، امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے گوندھا اور

امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی روٹیاں پکائیں جبکہ باقی لوگ اس کے کھانے والے ہیں۔(درمختار،مقدمۃ الکتاب)

غرض امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مساعیٔ جمیلہ سے فقہ کا ایسا عظیم سرمایہ ہاتھ آیا جو قیامت تک یادگار و باقی رہے گا۔ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اس امت پر یہ ان کا ایسا احسان ہے جس سے وہ کبھی سبکدوش نہ ہو سکے گی۔ان کے سالہا سال کی محنت اور جہد مسلسل سے شرعی مسائل واحکام کا لازوال خزانہ جو علم فقہ کی شکل میں ملا ہے وہ امت مرحومہ کی عملی اور عالمی زندگی کیلئے لازمی ہونے کے ساتھ باعث افتخار وعزت بھی ہے۔چونکہ اسلام کے قوانین حیات انسانی کے تمام شعبوں پر حاوی ہیں۔دنیا میں اسلام کے علاوہ کوئی مذہب ایسا نہیں جس کے ضابطے انسانی زندگی کے تمام تقاضوں اور ضروریات کو پورا کرتے ہوں۔

امت مسلمہ کی سہولت اور علما کی آسانی کے لیے سب سے پہلے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تدوین کتب کی ضرورت محسوس کی اور علم شریعت کی تدوین وترتیب فرمائی۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں یہ صفت منفرد اور خاص ہے کہ آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کی تدوین کی اور اسے ابواب وفصول میں تقسیم فرمایا۔پھر اس کی پیروی امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے''مؤطا'' کی ترتیب میں کی،امام صاحب سے پہلے کسی نے ایسا نہ کیا کیوں کہ صحابۂ کرام اور تابعین عظام نے علم شریعت کو ہر ابواب میں تقسیم کیا،نہ کوئی کتاب مرتب کی بلکہ وہ اپنے حافظہ اور یادداشت پر اعتماد کرتے تھے۔جب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ علم منتشر ہوتا جارہا ہے اور اسکے ضائع ہونے کا خوف ہوا تو آپ نے اسے مرتب کر کے ابواب میں تقسیم کیا۔آپ نے علم الفقہ کو باب الطہارۃ سے شروع کیا،پھر باب الصلاۃ،پھر تمام عبادات،پھر معاملات اور آخر میں وراثت کا باب مرتب کیا۔(تبییض الصحیفہ،ص:۴۵)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے بھی مسائل بیان کیے جاتے تھے مگر جس ترتیب اور ضبط سے امام اعظم نے تدوین فرمائی وہ آپ ہی کی اولیت ہے۔(مناقب موفق،ص:۳۷۹)

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں:

آپ سب سے پہلے وہ شخص ہیں جس نے علم فقہ کی ترتیب کی اور اس کو ابواب میں منقسم کیا اور اس فن میں کتابیں مرتب کیں جیسا کہ آج کل موجود ہیں۔ امام مالک نے اپنی کتاب ''مؤطا'' میں انھیں کی پیروی کی، اس سے قبل لوگ اپنے حافظے کی قوت پر علم ومعلومات کو محفوظ رکھتے تھے آپ ہی سب سے پہلے شخص ہیں جس نے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط وضع کی۔ (الخیرات الحسان، ص:۱۰۱۔ کراچی)

فقہ حنفی جس میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ ان کے نامور شاگردوں کے مسائل بھی شامل ہیں دنیائے اسلام کا بہت بڑا مجموعۂ قوانین تھا۔ اگرچہ بعد میں علمائے حنفیہ نے اس میں بہت سا اضافہ کیا لیکن امام ابو یوسف وامام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنھما اور آپ کے دیگر شاگرد آپ کے طریقۂ اجتھاد کی پیروی کرتے ہوئے اور آپ کے مرتب کردہ فقہی قواعد واصول کے مطابق ہی قرآن وحدیث سے مسائل اخذ کرتے رہے۔ اسی بنا پر امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''مجتھد فی الشرع'' ہیں اور آپ کے ان شاگردوں کو ''مجتھد فی المذھب'' کا درجہ حاصل ہے اور وہ اصول میں امام اعظم ہی کے مقلد وپیرو ہیں۔

امام ابو یوسف اور امام محمد نے کئی مسائل میں امام اعظم کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ بعض لوگ اس وجہ سے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ حالانکہ اس حقیقت کو خود امام ابو یوسف، امام زفر اور امام محمد نے بیان کیا ہے۔ وہ حضرات فرماتے ہیں کہ ہمارے جو اقوال بظاہر امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے خلاف ہیں وہ بھی دراصل اما م اعظم ہی کے اقوال ہیں کیونکہ بعض مسائل میں امام اعظم نے مختلف اور متعدد آرا ظاہر کی تھیں۔

امام ابو یوسف نے فرمایا، میں نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی قول کی مخالفت نہیں کی سوائے ایک قول کے۔ (شامی، ج:۱، ص:۴۹)

امام زفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ماخالفت ابا حنيفة فی قول الاوقد كان ابو حنيفة يقول به۔ (الجوہر المضیئۃ، ج:۱، ص ۲۴۴)

میں نے کسی قول میں امام ابوحنیفہ کی مخالفت نہیں کی مگر یہ کہ وہ بھی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا ایک قول ہوتا تھا۔

قول امام پر اعتماد اور مذہب کی فوقیت سے متعلق اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

علما فرماتے ہیں: قول امام ہی پر اعتماد ضرور ہے اگر چہ صاحبین خلاف پر ہوں، اگر چہ مشائخ کرام مذہب صاحبین کی تصحیح کریں۔

جب سے مذہب حنفی عالم میں آیا کسی عالم نے دربارۂ اختلاف امام وصاحبین اسے جاری نہ کیا، نہ ہرگز تمام دنیا میں کوئی اس کا قائل بلکہ سلف وخلف کا اجماع کامل اسکے ہر خلاف پر گواہ عادل، ہزار ہا مسائل میں صاحبین نے خلاف کیا پھر شرق وغرب سے کتب فقہ سے جمع کر کے دیکھیے قول صاحبین چند ہی جگہ مفتی بہ ملے گا جہاں اختلاف زمانہ کے سبب تغیر حکم ہوا یا تقابل ودفع حرج کے مثل کوئی ایسی ہی ضرورت پیش آئی۔ (اجلی الاعلام ان الفتوی مطلقا علی قول الامام)

پیش نظر کتاب، **''فقہ اور فتاوی کی تدوین وتاریخ''** ایک ایسی حسین وعمدہ اور تحقیقی دستاویز ہے جو اسم باسمی اور قابل مطالعہ ہے۔

اس میں صاحب فکر وقلم حضرت علامہ ومولانا مفتی کمال الدین صاحب اشرفی مصباحی، صدر مفتی وشیخ الحدیث ادارۂ شرعیہ اتر پردیش رائے بریلی یوپی نے جس انداز میں مختصر اور جامع گفتگو کی ہے وہ سراہنے اور داد وتحسین کے لائق ہے، مولانا موصوف نے اس میں فقہ کی تعریف، اس کے لغوی اور اصطلاحی معنی، اس کی غرض وغایت، فقیہ ومفتی کا اطلاق، افتا کا لغوی واصطلاحی معنی، افتا کی اہمیت وضرورت، مفتی کی تعریف، مفتی کی قسمیں، فتوی کے اقسام وانواع، شریعت اسلامیہ کے سب سے اول مفتی، فتوی کی تاریخ، مشاہیر مفتیان کرام، مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ کے مفتیان کرام، کوفہ ومصر وشام ویمن کے مفتیان کرام، مجتہدین صحابہ اور دیگر مجتہدین عظام، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، ان کے مشاہیر اساتذہ وتلامذہ، فقہ اسلامی کے مختلف ادوار کی جھلک، ائمہ اربعہ اور ان کے فقہی مسالک، طبقات فقہائے احناف، کتب اصول، کتب فتاوی وغیرہ مباحث وعنوانات پر جوز ورقلم صرف کیا ہے

وہ بے مثل اور لائق ستائش ہے اور اس سے یہ اندازہ واحساس ہوتا ہے کہ مولانا موصوف کی نظر فقہ اسلامی کے ساتھ مختلف علوم وفنون پر بھی عمیق و گہری اور انداز محققانہ ہے۔

حضرت مولانا مفتی کمال الدین صاحب اشرفی مصباحی کو اللہ تعالیٰ نے متعدد محاسن وخوبیوں سے نوازا ہے، ان کے انداز درس وتدریس، تعلیم و تعلم کے ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی ذوق فراواں ہے۔ مولانا موصوف نے اب تک مختلف موضوعات پر ایک درجن سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف کی ہیں، مولانا موصوف کا قلم رواں اور سیال ہے۔ فروغ رضویات میں بھی ان کا کردار قابل رشک وتقلید اور لائق التفات ہے، رب کائنات ان کی انگلیوں اور ان کے قلم کی حفاظت فرمائے۔ آمین!

وما توفیقی الا باللہ، علیہ توکلت والیہ انیب وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین برحمتك یا مجیب۔

محمد عیسیٰ رضوی قادری

خلیفۂ تاج الشریعہ وخادم الحدیث والافتا

الجامعۃ الرضویہ مظہر العلوم گرسہائے گنج ضلع قنوج، یوپی

یکم ربیع الاول شریف ۱۴۴۰ھ

۱۰؍نومبر ۲۰۱۸ء

۹۹۵۶۰۲۷۱۸۲

۞۞۞

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الحفی، علی دینہ الحنفی الذی ایدنا بائمة یقیمون الاود ویدیمون المدد ،باذن الجواد الصمد، وجعل من بینھم امامنا الاعظم کالقلب فی الجسد والصلوۃ والسلام علی الامام الاعظم للرسل الکرام الذی جاء ناحقا من قولہ المامون استفت قلبك وان افتاك المفتون وعلیھم وعلی آلہ وآلھم وصحبہ وصحبھم وفئامہ وفئامھم الی یوم یدعی کل اناس بامامھم آمین۔

فقہ اور فتاویٰ کا تعارف:

تحقیق و جستجو اور باہمی مفاہمت انسانی زندگی کا ایک اہم عنصر اور بنیادی حصہ ہے روز ازل سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور صبح قیامت تک جاری رہے گا، اسی فہم و مفاہمت، طلب و دریافت اور تحقیق و جستجو کو علم و فن کی اصطلاح میں فقہ و افتا سے تعبیر کرتے ہیں اور مسائل شرعیہ میں ان کے ماہرین کو فقیہ اور مفتی کہتے ہیں۔

فقیہ و مفتی کا اطلاق دور قدیم میں مجتہد مطلق پر ہوا کرتا تھا، ابتدائی زمانے میں ایسے نو پید مسائل کو فتویٰ کہا جاتا تھا جن کے احکام مجتہدین فقہا اپنے اجتہاد سے بیان فرماتے اور اصحاب مذہب سے ان سے متعلق کوئی روایت منقول نہیں ہوتی، جب مجتہدین فقہا کا زمانہ ختم ہوا اور دور تقلید شروع ہوا تو ان مجتہدین کے مستنبط اور اجتہادی مسائل کو عوام الناس سے بیان اور نقل کرنے کو فتویٰ سے تعبیر کیا جانے لگا اور جو فقہائے کرام کے مختلف طبقات پر گہری نظر رکھتا ہے اور راجح و مرجوح اور مفتی بہ میں امتیاز کی صلاحیت و قابلیت رکھتا ہے ایسے ناقل فتویٰ کو مفتی اور فقیہ کہا جانے لگا۔

اس تنوع کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو فقہ وافتا اپنے معنی ومفہوم کے اعتبار سے قریب قریب مساوی ہیں ان دونوں کے درمیان زیادہ کوئی خاص فرق نہیں ہے، صرف امتیازی فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ فقہ خاص ہے اور فتاویٰ عام ہے اور وہ اس طرح کہ فقہ علوم اسلامیہ میں سب سے زیادہ وسیع اور دقیق علم ہے ، یہ جہاں ایک طرف قرآن، حدیث، اقوال صحابہ، اجتہادات فقہا، جزئیات وفروع، راجح ومرجوح اور امت کی واقعی ضروریات کے ادراک کے ساتھ زمانے کے بدلتے حالات کے تناظر میں دین کی روح کو ملحوظ رکھ کر تطبیق دینے کا نام ہے وہیں دوسری طرف طہارت ونجاست کے مسائل سے لے کر عبادات، معاملات، معاشرت، آداب واخلاق اور ان تمام چیزوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے جن کا تعلق حلت وحرمت اور اباحت یا عدم اباحت سے ہے۔

فتاویٰ کا میدان فقہ سے وسیع تر ہے، اس لیے کہ فتاویٰ میں ایمانیات، فرق وملل، تاریخ وسیرت، تصوف وسلوک، اخلاق وآداب، عبادات ومعاملات، معاشرت وسیاسیات کے ساتھ قدیم وجدید مسائل کا حل، اصولی وفروعی مسائل کی تشریح وتطبیق جیسے امور بھی شامل ہوتے ہیں۔

ذیل میں فقہ اور فتاوی کی تدوین وتاریخ سے متعلق کچھ اہم اور بنیادی باتیں قارئین کی نذر کی جاتی ہیں جن کے مطالعہ سے قارئین کو جہاں فقہ اور فتاوی کی تدوین وتاریخ کا علم ہوگا وہیں ان کے عروج وارتقا میں فقہا ومفتیان اسلام نے جو بے لوث علمی وفقہی خدمات انجام دی ہیں ان باتوں کا بھی بخوبی اندازہ ہوگا، اس اجمال کی قدرے تفصیل ملاحظہ کریں۔

فتویٰ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

فتویٰ کا لغوی معنی:

لفظ فتویٰ کا لغوی معنی ہے ''کسی سوال کا جواب دینا'' (مفردات امام راغب) وہ سوال شرعی ہو یا غیر شرعی لیکن بعد میں یہ لفظ شرعی حکم معلوم کرنے کے معنی میں خاص ہوگیا۔

قرآن مجید میں لفظ افتا واستفتا مختلف معنی میں وارد ہوئے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

(۱) حکم دینا (۲) تحقیق چاہنا (۳) خواب کی تعبیر بتانا (۴) جواب دینا

(۵) جواب چاہنا (۶) مشورہ دینا (۷) رائے دینا،

جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے یہ معانی ظاہر ہیں۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ (نسا:۱۲۷) اور تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔تم فرمادو کہ اللہ تمہیں ان کا فتویٰ دیتا ہے۔ (کنزالایمان)

اسی سورۂ مبارکہ میں ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ (نسا:۱۷۶) اے محبوب! تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے۔ (کنزالایمان)

فرعون مصر کے ایک خواب کی تعبیر کے سلسلے میں قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ (یوسف:۴۳) اے درباریو! میری خواب کا جواب دو اگر تمہیں خواب کی تعبیر آتی ہو۔ (کنزالایمان)

ملک سبا کی ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ملنے پر اپنے درباریوں سے مشورہ طلب کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ (نمل:۳۲) بولی اے سردارو! میرے اس معاملہ میں مجھے رائے دو۔ (کنزالایمان)

ایک اور مقام پر مذکور ہے:

قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ (یوسف:۴۱) حکم ہو چکا اس بات کا جس کا تم سوال کرتے تھے۔ (کنزالایمان)

سورۂ یوسف میں ایک اور مقام پر ہے:

يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا (یوسف :۴۶) اے یوسف! اے صدیق! ہمیں تعبیر دیجیے۔ (کنزالایمان)

اصطلاحی معنی:

شریعت کی اصطلاح میں زندگی کے کسی بھی شعبہ سے متعلق پیش آمدہ مسائل میں حکم مسئلہ اور شرعی فیصلہ بتانے کا نام فتویٰ ہے، حضرت سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

تحریرفرماتے ہیں:

(والافتاء) بیان حکم المسئلۃ[التعریفات،ص:۲۵] یعنی حکم مسئلہ کے بیان کرنے کو افتا کہتے ہیں۔

اورحضرت علامہ سید ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

الافتاء فانه افادۃ الحکم الشرعی [ردالمحتار:ج:۴،ص:۳۳۶] یعنی شرعی فیصلہ سے آگاہ کرنے کو افتا کہتے ہیں۔

فقیہ اعظم امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے افتا کی تعبیران الفاظ میں کی ہے۔انما الا فتاء ان تعتمد علی شئ وتبین لسائلك ان هذا حکم الشرع فی ما سئلت (فتاوی رضویہ،ج:۱،ص:۳۸۲) فتوی دینے کے معنی پورے اعتماد کے ساتھ سائل کو اس کے سوال کا حکم شرعی بتانا ہے۔

فتویٰ کی شرعی حیثیت:

شرعی فتویٰ کسی مفتی یاعالم کی ذاتی رائے کا نام نہیں ہے جس پر عمل کرنا ضروری نہ ہو بلکہ فتویٰ قرآن وسنت کے مطابق اظہار حکم کا نام ہے جوایک مسلمان کے لیے واجب العمل ہے۔

فتوی کی اہمیت:

فتوی اور افتا کو وہ عظیم مقام حاصل ہے کہ اللہ رب العزت نے اس کی نسبت خود اپنی ذات کی جانب فرمائی ہے جیسا کہ مذکورہ آیتوں میں اس کا بیان گزرا۔

علوم اسلامیہ میں فتاویٰ کو جوحیثیت واہمیت حاصل ہے وہ سورج سے بھی زیادہ روشن اور واضح ہے اس لیے کہ یہ علم زندگی سے مربوط اور انسانی شب وروز سے متعلق وہم آہنگ ہے بلفظ دیگر اسلام کا نظام قانون بنیادی طور پر جن پاکیزہ عناصر سے مرکب ہے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو اسلامی شریعت کے مرکزی مصادر وماخذ ہیں، فتاویٰ میں اسلامی نظام قانون،عدل وانصاف،توازن واعتدال،جامعیت وافادیت جیسی امتیازی صفات کے لیے بے پناہ گنجائش ہے،ان کی وسعت وگہرائی،سہولت پسندی،حیرت انگیز بے ساختگی،لچک اور انسانی فطرت کی ہم آہنگی تمام حقیقت پسندوں کے یہاں مسلم ہے

جن کا دائرۂ عمل پیدائش سے میراث تک اور عقائد سے لے کر معاملات وغیرہ امور تک محیط ہے۔

فتاویٰ سب سے مشکل اور اہم علم ہے، ان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگا یا جا سکتا ہے کہ علما فرماتے ہیں چند سال درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے یا دو چار زوردار تقریر کر لینے کی وجہ سے آدمی فقیہ تو کیا فقہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہوتا۔

امام احمد رضا قدس سرہ اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں:

''حاکم شرعی ،سلطان اسلام، یا قاضی مولی من قبلہ ہے، یا امور فقہ میں فقیہ بصیر، افقہ بلد، نہ آج کل کے عام مولوی، آج کل درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازہ میں بھی داخل نہیں ہوتا، نہ کہ واعظ جسے سوائے طلاقت لسانی کوئی لیاقت جہاں درکار نہیں۔'' [فتاویٰ رضویہ، ج:۱۰ ص:۹۹]

افتا ایک بہت ہی اہم ذمہ داری ہوتی ہے اور ایک عظیم منصب ہوتا ہے، کیونکہ فتوی عام ہوتا ہے اور اس کا حکم صرف سائل تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ اسکے بعد آئندہ جسے بھی مسئلہ کی یہی مخصوص صورت پیش آتی ہے اس کے لیے بھی وہی جواب اور حکم ہوتا ہے جو جواب فتوی سے متعلق مستفتی اور سائل کا ہوتا ہے، اسی لئے فتوی نویسی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں بلکہ جو افتا سے متعلق تمام علوم وفنون میں کامل دسترس اور مہارت رکھتا ہو وہی اس منصب جلیل کے لائق اور مستحق ہے، جو اس منصب کے لائق نہیں وہ ہرگز فتوی نویسی کی جرأت نہ کرے ورنہ لاعلمی کی وجہ سے غلط فتاوے دینے کی بنیاد پر سخت گنہگار اور مستحق عتاب ہوگا ،مسند دارمی میں ہے :اجرؤ کم علی الفتیا اجرؤ کم علی النار [مسند دارمی، ج:۱، ص:۱۳۲] تم میں فتویٰ دینے میں سب سے زیادہ جری وہ ہے جو آگ (جہنم) میں داخل ہونے میں زیادہ جری ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے احتراز کرتے تھے اور جن کو وہ اپنے علم وعمل سے برتر سمجھتے تھے ان کو یہ ذمہ داری سپرد کرتے تھے، لیکن آج کا حال کچھ اور ہی ہے۔

فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں:

''آج کل لوگ اس فن کو بہت آسان سمجھنے لگے ہیں کہ ہر مدرسے والے دارالافتا کا بورڈ لگا کر کسی کو مفتی بنا کر بیٹھائے ہوئے ہیں جن میں سے اکثر کے فتاوے دیکھ کر بے انتہا افسوس ہوتا ہے کہ وہ غلط فتاوے لکھ کر مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں اور خود آسمان وزمین کے ملائکہ کی لعنت کے مستحق ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:''من افتی بغیر علم لعنتہ ملائکۃ السماء والارض ''یعنی جو بغیر علم کے فتوی دے اس پر آسمان وزمین کے ملائکہ کی لعنت ہے، عالم اور خود مدرسے والے یہ سمجھتے ہیں کہ درس نظامیہ کا ہر وہ فارغ التحصیل جس کی کچھ صلاحیت ہو وہ فتوی دے سکتا ہے حالانکہ درسی کتابیں پڑھنے سے علم الفتوی حاصل نہیں ہوتا مگر جس پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہو جائے۔''(مقدمہ فتاوی مفتی اعظم ،ج :۱،ص:۱۱/ ۱۲)

فقیہ عصر شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''فتویٰ دینا، ساری دینی خدمات میں سب سے اہم ،سب سے مشکل اور سب سے پیچیدہ کام ہے اور ایسا کام جس کی کوئی انتہا نہیں ،فقہائے کرام نے اگرچہ ہم پر احسان فرماتے ہوئے لاکھوں جزئیات کی تصریح فرمادی پھر بھی حوادث محدود نہیں، آئے دن سیکڑوں واقعات ایسے ہوتے رہتے ہیں کہ جن کے بارے میں کوئی جزئیہ کسی کتاب میں نہیں ملتا، یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ ایک فقیہ اپنی بالغ نظری ،نکتہ سنجی ،دقیقہ بینی کی بدولت تائید ایزدی سے صحیح حکم اخذ کر لیتا ہے مگر یہ کام کتنا مشکل ہے اسے بتایا نہیں جا سکتا ،جس کے سر پڑتی ہے وہی جانتا ہے۔''(انوار مفتئ اعظم ،ص: ۲۵۲)

مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ فتویٰ نویسی کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

''ردِ وہابیہ اور افتا یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے ان میں بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے، میں بھی ایک طبیب حاذق کے مطب میں سات برس بیٹھا ہوں مجھے وہ وقت ، وہ دن، وہ جگہ، وہ مسائل اور جہاں سے وہ آئے تھے اچھی طرح یاد ہے، میں نے ایک بار ایک نہایت پیچیدہ حکم بڑی کوشش وجانفشانی سے نکالا اور اس کی تائید مع تنقیح آٹھ ورق میں جمع کیں مگر جب حضرت

والد ماجد قدس سرہٗ کے حضور میں پیش کیا تو انہوں نے ایک جملہ ایسا فرمایا کہ اس سے یہ سب ورق رد ہو گیے وہی جملے اب تک دل میں پڑے ہوئے ہیں اور قلب میں اب تک ان کا اثر باقی ہے۔" (الملفوظ ح:۱،ص:۴۷۔مطبوعہ رضا اکیڈمی)

مفتی کی تعریف اور اس کی قسمیں

مفتی کی تعریف:

المنجد میں مفتی کی موجودہ تشریح اس طرح کی گئی ہے:

"المفتی الفقیہ الذی یعطی الفتوی و یجیب عما القی علیہ من المسائل المتعلقۃ بالشریعۃ" مفتی ایسے اسلامی دانشور کو کہتے ہیں کہ جب اس کے سامنے شریعت سے متعلق مسائل پیش کیے جاتے ہیں تو وہ ان کے جواب دیتا ہے اور شرعی فیصلہ صادر کرتا ہے۔(المنجد،ص:۹۸)

مفتی کی قسمیں:

مفتی کی دو قسمیں ہیں: (۱) مفتی مجتہد؛ (۲) مفتی ناقل۔

مفتی مجتہد: جو فقیہ اپنے اجتہاد سے مسائل بتائے وہ مفتی مجتہد ہے۔

مفتی ناقل: جو فقیہ ان مسائل کو استفتا کرنے والوں سے زبانی یا تحریری بتائے وہ مفتی ناقل ہے کہ اس کا کام محض نقل ہے نہ کہ اجتہاد۔

بہار شریعت میں فتاویٰ عالمگیری کے حوالے سے ہے:

"فتوی دینا حقیقۃً مجتہد کا کام ہے کہ سائل کے سوال کا جواب کتاب وسنت واجماع وقیاس سے وہی دے سکتا ہے، افتا کا دوسرا مرتبہ نقل ہے یعنی صاحب مذہب سے جو بات ثابت ہے سائل کے جواب میں اسے بیان کر دینا اس کا کام ہے اور یہ حقیقۃً فتوی دینا نہ ہوا بلکہ مستفتی کے لیے مفتی (مجتہد) کا قول نقل کر دینا ہوا کہ وہ اس پر عمل کرے۔" (بہار شریعت، ح:۱۲،ص:۶۹)

فتویٰ کے اقسام:

فتویٰ کی دو قسمیں ہیں (۱) حقیقی فتویٰ (۲) عرفی فتویٰ۔

حقیقی فتویٰ: حقیقی فتویٰ یہ ہے کہ مفتی مجتہد ادلۂ تفصیلیہ کی معرفت کے بعد فتویٰ دے۔

عرفی فتویٰ: عرفی فتویٰ یہ ہے کہ مفتی ناقل ادلۂ تفصیلیہ کی معرفت کے بغیر اصحاب مذہب کے اقوال اور ارشادات کو نقل کر کے مسئلہ بتائے۔

امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

الفتوی حقیقة وعرفية:فالحقيقية هو الافتاء عن معرفة الدليل التفصيلي واولئك الذين يقال لهم اصحاب الفتوىٰ ويقال بهذا "افتیٰ الفقيه ابو جعفر والفقيه ابو الليث واضرابهما رحمهم الله تعالیٰ" والعرفية: اخبار العالم باقوال الامام جاهلا عنها تقليدا له من دون تلك المعرفة كما يقال فتاویٰ ابن نجيم والغزی والطوری والفتاویٰ الخيرية وهلم تنزلا زمانا ورتبة الیٰ الفتاویٰ الرضوية جعلها الله تعالیٰ مرضية مُرضية۔ اٰمين۔ ''(فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱،ص:۱۰۹)

ترجمہ:

''فتویٰ کی دو قسمیں ہیں: عرفی اور حقیقی۔ حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی معرفت کے بعد فتویٰ دیا جائے، یہی وہ لوگ ہیں جن کو اصحاب فتویٰ کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں: یہی فتویٰ دیا ہے فقیہ ابوجعفر، فقیہ ابواللیث اور ان کے امثال نے، اور عرفی فتویٰ یہ ہے کہ عالم لوگوں کو امام کے اقوال بتا دے، وہ دلیل کو نہ جانتا ہو، محض تقلید کے طور پر ایسا کرے۔ جیسے کہا جاتا ہے فتاویٰ ابن نجیم، فتاویٰ غزّی، فتاویٰ طوری اور فتاویٰ خیریہ وغیرہ اور بعد کے زمانہ میں فتاویٰ رضویہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کو پسندیدہ اور راضی کرنے والا بنا دے۔ آمین!'' (الفتاویٰ الرضویہ مترجم، ج:۱؛ص:۱۰۹)

حضرت علامہ ابن عابدین شامی قدس سرہٗ ردالمحتار علی الدر المختار میں تحریر فرماتے ہیں:

''المفتی هو المجتهد فاما غير المجتهد ممن يحفظ اقوال المجتهد فليس بمفت والواجب عليه اذا سئل ان يذكر قول المجتهد كالامام علیٰ وجه الحكاية

فعرف ان ما یکون فی زماننا من فتوی الموجودین لیس بفتوی بل ہو نقل کلام المفتی لیأخذ بہ المستفتی '' (ردالمحتار علی الدر المختار، ج:۱ص:۷۴)

ترجمہ:

مفتی تو مجتہد ہوتا ہے پس جو شخص مجتہد نہ ہو صرف کسی مجتہد کے اقوال کو یاد رکھتا ہو وہ مفتی نہیں ہوتا ایسے شخص پر لازم ہے کہ جب اس سے کچھ پوچھا جائے تو کسی مجتہد جیسے (امام اعظم) کا قول بطور حکایت بیان کر دے، اس وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ ہمارے زمانے کے اصحاب فقہ کے فتاویٰ درحقیقت فتویٰ نہیں ہوتے بلکہ وہ کسی حقیقی مفتی کے اقوال کی نقل ہوتی ہے تاکہ مستفتی اس کی روشنی میں حکم شریعت اخذ کر سکے۔

فقہائے کرام کی ان تصریحات کی روشنی سے پتہ چلتا ہے کہ آج کے دور میں جتنے مفتیان کرام پائے جاتے ہیں وہ سب مفتیان ناقل ہیں مگر یہ نقل بھی آسان کام نہیں ہے کہ ہر کس و ناکس نقل کر لے بلکہ اس کے لیے بھی کچھ اہم شرائط درکار ہیں جو یہ ہیں۔

فتاویٰ نویسی کے کچھ بنیادی اصول:

مفتیان کرام کو فتویٰ نقل کرتے وقت کن بنیادی باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے اور اس کے بنیادی اصول وضوابط کیا کیا ہیں؟ اس سلسلے میں آداب افتا کے عنوان سے فقہ حنفی کی کتابوں میں ایک مستقل باب ہے، تفصیل سے قطع نظر ہم یہاں دور حاضر کے ایک عظیم اور مایہ ناز مفتی و محقق سراج الفقہا، محقق مسائل جدیدہ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی، صدرالمدرسین وصدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی تحریر کردہ فتاویٰ نویسی کے چند اہم اور بنیادی اصول کا ذکر کرتے ہیں جن کا تعلق اس دور کے مقلد مفتیان کرام سے ہے جو حضرت نے ناچیز کی خواہش پر ۲۰۰۱ء میں قلم بند فرمایا تھا اور اس راقم الحروف کو عطا کیا، پھر یہی اصول بعد میں فتاویٰ کی متعدد کتابوں کے مقدمات میں حضرت کے مضامین میں شائع ہوئے، آپ نے اس سلسلے میں رہنمائی کے گیارہ امور کی نشاندہی فرمائی جو مفتیان کرام اور افتا کی تربیت لینے والے علمائے کرام کے لیے بے حد مفید، کارآمد و مشعل راہ ہیں، آپ فرماتے ہیں:

آج کے دور میں جو مفتی پائے جاتے ہیں وہ سب ''مفتی ناقل'' ہیں۔ مگر یہ نقل بھی

آسام کام نہیں کہ جو چاہے نقل احکام فرمادے بلکہ اس کے لئے کئی ایک اہم شرائط درکار ہیں، جوحسب ذیل ہیں:

(۱) مفتی کے سامنے جوسوال پیش کیا جائے اسے بغور سنے، پڑھے، سوال کی منشا کیا ہے اسے سمجھنے کی کوشش کرے، ضرورت ہوتو سائل سے مخفی گوشوں کے تعلق سے وضاحت بھی طلب کرے، عجلت سے بچے۔ بہار شریعت میں حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقمطراز ہیں:

''بارہا ایسا بھی ہوتا ہے کہ سوال میں پیچیدگیاں ہوتی ہیں جب تک مستفتی سے دریافت نہ کیا جائے سمجھ میں نہیں آتا، ایسے سوال کو مستفتی سے سمجھنے کی ضرورت ہے، اس کی ظاہر عبارت پر ہرگز جواب نہ دیا جائے۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ سوال میں بعض ضروری باتیں مستفتی ذکر نہیں کرتا اگر چہ اس کا ذکر نہ کرنا بددیانتی کی بنا پر نہ ہو، بلکہ اس نے اپنے نزدیک اس کو ضروری نہیں سمجھا تھا۔ مفتی پر لازم ہے کہ ایسی ضروری باتیں سائل سے دریافت کرلے تاکہ جواب واقعہ کے مطابق ہو سکے۔ اور جو کچھ سائل نے بیان کردیا ہے مفتی اس کو اپنے جواب میں ظاہر کردے تاکہ یہ شبہہ نہ ہو کہ جواب وسوال میں مطابقت نہیں ہے۔'' (بہار شریعت: ص:۱۷، ۲۷، ح:۱۲)

(۲) سوال تفصیل طلب ہو اور الگ الگ شقوں کا جواب دینے میں یہ احتمال ہو کہ سائل اپنے لیے اس شق کو اختیار کرلے گا جس میں اس کا نفع، یا سرخروئی، یا عافیت ہو گو کہ اس کا معاملہ اس شق سے وابستہ نہ ہو تو اپنی طرف سے شق قائم کر کے جواب نہ دے، بلکہ تنقیح کے ذریعہ صورت واقعہ کی تعیین کرے پھر جواب دے۔ بہار شریعت میں ہے:

''مفتی پر یہ بھی لازم ہے کہ سائل سے واقعہ کی تحقیق کرلے، اپنی طرف سے شقوق نکال کر سائل کے سامنے بیان نہ کرے، مثلاً یہ صورت ہے تو یہ حکم ہے، اور یہ ہو تو یہ حکم ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو صورت سائل کے موافق ہوتی ہے اسے اختیار کر لیتا ہے اور گواہوں سے ثابت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو گواہ بھی بنالیتا ہے۔'' (ایضا ص:۷۰، ح:۱۲)

ہاں اگر شقوق میں ایسے احتمال کی گنجائش نہ ہو تو بقدر ضرورت شقوق کا جواب دے دینا چاہیے۔

(۳) جواب میں سوال کی مناسبت سے جتنے جزئیات مل سکیں سب پر اچھی طرح غور کر لے، جو جزئیہ سوال کے مطابق ہو اسی کو نقل کرے۔

(۴) جواب مذہب کی کتب معتمدہ، مستندہ سے دے، کتب ضعیفہ سے استناد نہ کرے، استفادہ، یا تائید کے لیے مطالعہ الگ چیز ہے۔ بہار شریعت میں فتاویٰ عالمگیری کے حوالے سے ہے:

''مفتی ناقل کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ قول مجتہد کو مشہور و متداول و معتبر کتابوں سے اخذ کرے، غیر مشہور کتب سے نقل نہ کرے۔ (ایضا ص ۶۹، ح: ۱۲)

(۵) پیش آمدہ سوال کے تعلق سے جزئیات دو طرح کے ہوں، یا ایک ہی جزئیہ میں احتمالات دو طرح کے ہوں تو اصحاب ترجیح میں سے کسی فقیہ نے جس قول، یا جس احتمال کو ترجیح دیا ہو اسے اختیار کرے۔

(۶) اور اگر ترجیح بھی مختلف ہو تو اصحاب تمیز نے فتاویٰ کے لیے جسے اختیار فرمایا اس پر فتویٰ دے، مفتی بہ کی دریافت سے عاجز ہو تو اپنے سے افقہ کی طرف رجوع کا حکم دے، یا خود رجوع کرے، یہ بھی ممکن نہ ہو تو توقف کرے کہ اب جواب دینا فتویٰ نہیں ''طغویٰ'' ہوگا۔ ان امور کی رعایت کے لئے کم از کم متعلقہ ابواب کا کامل اور بغور مطالعہ نیز تمام جزئیات اور ان کے فروق پر گہری نظر اور یکسوئی و حاضر دماغی ضروری ہے۔

(۷) جواب تمام ضروری گوشوں کو محیط ہو، اس کے لیے وسعت مطالعہ، استحضار، تیقظ ناگزیر ہے۔

(۸) جواب کا تعلق کسی دشواری کے حل سے ہو، اور حل مختلف ہو تو جواب میں اس حل کو اختیار کرے جو قابل عمل ہو، اور جو حل کسی وجہ سے قابل عمل نہ ہو اس کا ذکر عبث ہوتا ہے۔

(۹) بہار شریعت میں ہے کہ ''مفتی کو بیدار مغز ہوشیار ہونا چاہیے غفلت برتنا اس کے لیے درست نہیں کیونکہ اس زمانے میں اکثر حیلہ سازی اور ترکیبوں سے واقعات کی صورت بدل کر فتویٰ حاصل کر لیتے ہیں اور لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ فلاں مفتی نے مجھے فتویٰ دیا، محض فتویٰ ہاتھ میں ہونا ہی اپنی کامیابی تصور کرتے ہیں، بلکہ مخالف پر اس

کی وجہ سے غالب آ جاتے ہیں، اس کو کون دیکھے کہ واقعہ کیا تھا اور اس نے سوال میں کیا ظاہر کیا۔'' (بہار شریعت، ح:۱۲،ص:۷۰)

(۱۰) مفتی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ بردبار، خوش خلق، ہنس مکھ ہو، نرمی کے ساتھ بات کرے، غلطی ہو جائے تو واپس لے، اپنی غلطی سے رجوع کرنے میں کبھی دریغ نہ کرے، یہ نہ سمجھے کہ مجھے لوگ کیا کہیں گے کہ غلط فتویٰ دے کر رجوع نہ کرنا حیا سے ہو یا تکبر سے بہر حال حرام ہے۔ (ایضا، ح:۱۲،ص:۷۲)

(۱۱) ان تمام امور کے ساتھ ایک امر لازم یہ بھی ہے کہ جامع شرائط ماہر مفتی کی خدمت میں شب و روز حاضر رہ کر افتا کی تربیت حاصل کرے، جد و جہد کا خوگر بنے، اور کثرت مشق و مزاولت سے خود مندرجہ بالا امور کا ماہر ہو جائے۔ اگر جامع شرائط مفتی کی تربیت میں رہنے کا موقع نہ میسر ہو تو مشکل اور پیچیدہ مسائل میں اپنے سے افقہ سے تبادلہ خیال کرے اور ان کے علم و تجربہ سے استفادہ کو غنیمت سمجھے۔

جو عالم دین ان اوصاف و شرائط کا جامع ہو وہی نقل فتویٰ کا اہل ہے اور وہی قابل اعتماد و لائق استناد مفتی ناقل ہے اور اس کے فتاویٰ اس سے نیچے درجے کے علما کے لیے حجت اور واجب العمل ہیں۔ (مقدمہ فتاویٰ فقیہ ملت، ج:۱،ص:۱۵)

کیا مفتی کے لیے مجتہد ہونا ضروری ہے؟

متقدمین فقہا و اصولیین نے فتوی دینے کے لیے درجۂ اجتہاد پر فائز ہونا شرط قرار دیا ہے کیونکہ جب تک فتوی دینے والے کو حکم کی دلیل کا علم نہ ہو اسے فتوی دینے کی اجازت نہیں لیکن کیا اس زمانے میں بھی یہ شرط ہے؟ امام احمد رضا قدس سرہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں یہ شرط عصام کے زمانے میں تھی اب ہمارے زمانے میں صرف امام ابوحنیفہ کے اقوال کو یاد کر لینا کافی ہے جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں ہے: امام کے قول پر فتویٰ دینا حلال بلکہ واجب ہے اگر چہ اس کی دلیل معلوم نہ ہو۔'' [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱، ص:۹۸]

اور بحث و گفتگو نیز مسئلے کی پوری تحقیق کے بعد بطور نتیجہ ارشاد فرماتے ہیں:

حاصل کلام یہ ہے کہ طبع سلیم جو انصاف سے کہتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں مفتی کا کام صرف یہ ہے کہ جو ہمارے مشائخ نے لکھا ہے اس کو نقل کردے۔ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱، ص:۱۰۱]

فتویٰ دینا کسے حلال ہے؟

آج کل چند درسی کتابیں پڑھ پڑھا لینے سے بعض لوگ اپنے آپ کو مفتی کہلانے لگتے ہیں اور بزعم خویش دارالافتا کے مفتی بن بیٹھے ہیں اور بعض کا حال تو یہ ہے کہ حکم شرع معلوم ہو یا نہ ہو فتویٰ دینے میں بڑے جری و بے باک ہوتے ہیں، آج عملی اعتبار سے قوم کی زبوں حالی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے، حالانکہ فتویٰ دینا تلوار کی دھار پر چلنے کے مرادف ہے، حضرت عطا ابن سائب جلیل القدر تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں:

''میں نے فتویٰ دینے والے بزرگوں کو بچشم خود دیکھا ہے کہ جب وہ فتویٰ دیتے تو ان کے بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی۔''

اس دور میں مفتی مجتہد کا وجود اگرچہ نہیں ہے لیکن مفتی ناقل بھی ہر کس و ناکس کا منصب نہیں، اس کے لیے کم از کم اتنا علم تو ضرور چاہیے کہ وہ جان سکے کہ فقہا کے کتنے طبقے ہیں اور ان میں سے کون کس طبقہ پر فائز ہے، قول راجح و مرجوح، ضعیف و صحیح و اصح میں کامل امتیاز کر سکے اور ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ کسی ماہر مفتی کی بارگاہ میں زانو ادب طے کر کے خاص افتا کی مشق کی ہو، علما فرماتے ہیں اگر کوئی شخص مذہب کی تمام کتابیں حفظ کر لے مگر کسی ماہر استاذ سے خاص اس باب میں شرف تلمذ حاصل نہ کیا تو اس کے لیے فتویٰ دینا روا نہ ہوگا۔

خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح عقود رسم المفتی میں ماہر استاذ سے تربیت حاصل کیے بغیر فتوی دینے والے کو جاہل قرار دیا اور ایسے لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان المتقدمین شرطوا فی المفتی الاجتهاد وهذا مفقود فی زماننا فلا اقل من ان یشترط فیه معرفة المسائل بشروطها وقیودها التی کثیرا مایسقطونها ولا یصرحون بها اعتمادا علی فهم المتفقه و کذا لابدله من معرفة عرف زمانه واحوال اهله والتخرج فی ذلك علی استاذ ماهر ولذا قال فی آخر''

منیۃ المفتی": لو ان الرجل حفظ جمیع کتب اصحابنا ،لا بد ان یتلمذ للفتوی حتی یھتدی الیہ۔" [شرح عقود رسم المفتی،ص:۱۷۹]

ترجمہ:

بلاشبہ متقدمین نے مفتی کے لیے اجتہاد کی شرط لگائی ہے اور یہ ہمارے زمانے میں مفقود ہے پس کم از کم مفتی کے لیے اتنی شرط تو ہونی چاہیے کہ اس کو مسائل کی معرفت ان شرائط وقیود کے ساتھ ہو جنہیں فقہا اکثر حذف کر دیتے ہیں اور سمجھ والوں کی سمجھ پر اعتماد کرتے ہوئے ان قیود کو صراحۃ ذکر نہیں کرتے یونہی مفتی کو اپنے زمانہ کے عرف وحالات سے بھی باخبر ہونا چاہیے اور ساتھ ہی ساتھ کسی ماہر استاد کی نگرانی میں مشق وممارست بھی ہونی چاہیے یہی وجہ ہے کہ منیۃ المفتی کے آخر میں فرمایا:

"اگر کوئی شخص اصحاب مذہب کی تمام کتابیں یاد کرلے تب بھی فتویٰ دینے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی ماہر استاد سے شرف تلمذ حاصل کرے تاکہ اس کام کو صحیح طریقہ سے انجام دے سکے۔"

فقیہ اسلام امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی ماہر استاذ کی نگرانی میں برسوں تربیت افتا کی مشق حاصل کی ہے، فتاویٰ رضویہ میں تفصیل کے ساتھ آپ نے اس حقیقت کا اظہار بیان فرمایا کہ سات سال تک فتویٰ لکھ کر میں والد گرامی کی خدمت میں پیش کرتا رہا اور جہاں ضرورت ہوتی وہ اصلاح فرمادیتے اس کے بعد مجھے اجازت دی کہ بغیر سنائے فتوے لکھ کر سائلوں کو دے دوں، آپ کے الفاظ یہ ہیں:

"مجھے چار دہم شعبان خیر وبشارت کو فتوے لکھنے پر مامور فرمایا جب کہ سید عالم ﷺ کی ہجرت سے ۱۲۸۶ سال تھے اور اس وقت میری عمر کے چودہ برس پورے نہ ہوتے تھے کہ میری پیدائش ہجرت کے پاکیزہ روشن برسوں سے دہم شوال ۱۲۷۲ھ میں ہے، تو میں نے فتوے دینا شروع کیا اور جہاں میں غلطی کرتا حضرت قدس سرہ اصلاح فرماتے، سات برس کے بعد مجھے اذن فرمادیا کہ اب فتوے لکھوں اور بغیر حضور کو سنائے سائلوں کو بھیج دیا کروں مگر میں نے اس پر جرأت نہ کی یہاں تک رحمن عزوجل نے حضرت والا کو سلخ ذی القعدہ ۱۲۹۷ھ میں اپنے پاس بلالیا۔" [فتاویٰ رضویہ،مترجم،ج:۱،ص:۸۸/

۸۷]

سطور بالا سے اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ افتا کا کام کتنا مشکل اور کس قدر اہم ہے اس کے لیے وفور علم کے ساتھ ماہر شیخ واستاذ کی نگرانی میں ایک لمبا عرصہ تک مشق وممارست بھی ضروری ہے بغیر اس کے اس میدان میں قدم رکھنا بہت بڑی جرأت اور جسارت کا کام ہے۔

فتویٰ کس کے قول پر دیا جائے؟

امام احمد رضا قدس سرہ سراج الامہ، کاشف الغمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر فتوی دینے سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

علما تصریح فرماتے ہیں کہ مفتی مطلقا قول امام پر فتویٰ دے اور قاضی عموما مذہب امام پر فیصلہ کرے یعنی جب کوئی ضرورت مثل تعامل مسلمین یا اجماع المرجحین علی الخلاف کے داعی ترک نہ ہو، کما فی مسئلتی جواز المزارعة وتحریم القلیل من المائع المسکر اور حکم دیتے ہیں کہ قول امام سے عدول نہ کیا جائے اگر چہ مشائخ مذہب اس کے خلاف پر فتوی دیں۔[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱۲،ص:۱۰۹]

رسالہ مبارکہ ''اجل الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قول الامام ''میں علامہ شلبی کے فتویٰ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں:

''قاضی اور مفتی کو امام کے قول سے انحراف جائز نہیں ہاں اگر مشائخ میں سے کوئی اس امر کی تصریح کر دے کہ فتویٰ غیر کے قول پر ہے تو اگر کسی مسئلہ میں غیر کا قول راجح نہ ہو اور امام کی دلیل کو غیر کی دلیل پر ترجیح حاصل ہو تو قاضی کو روا نہیں کہ وہ امام کے قول کے علاوہ کسی اور قول پر فتویٰ دے۔''[رسالہ اجلی الاعلام، فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱،ص:۱۰۱]

ایک دوسری جگہ اپنے فتوے میں یوں رقمطراز ہیں:

محققین تصریح فرماتے ہیں کہ قول امام پر فتویٰ واجب ہے اس سے عدول نہ کیا جائے اگر چہ صاحبین خلاف پر ہوں اگر چہ مشائخ مذہب قول صاحبین پر افتا کریں:

''اللھم الا لضعف دلیل او تعامل بخلافه. نص علی ذلك العلامة زین بن نجیم فی البحر والعلامة خیر الدین الرملی فی فتاواہ وشیخ الاسلام صاحب

الهداية فی التجنیس والمحقق حیث اطلق فی الفتح والسید احمد الطحطاوی والسید الشامی فی حواشی الدر وغیرھم من اجلۃ العلماء الکرام الغر کما بیناہ فی کتاب النکاح من العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ۔‘‘[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۸،ص:۴۷۴]

ترجمہ:

اے اللہ! مگر یہ کہ دلیل کمزور ہو یا عمل اس کے خلاف ہو اس پر علامہ زین بن نجیم نے بحر میں، علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاویٰ میں، شیخ الاسلام صاحب الہدایہ نے تجنیس میں، محقق نے فتح میں، سید طحطاوی اور سید شامی نے حواشی در میں اور دیگر علمائے اجلہ نے اس پر تصریح کی ہے جیسا کہ ہم نے اسے ’’العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ‘‘ کے کتاب النکاح میں بیان کیا ہے۔

فقہائے احناف کے اقوال مختلف ہونے پر فتویٰ کی ترتیب کیا ہوگی؟

کسی مسئلہ میں اگر ائمۂ حنفیہ کے مختلف اقوال ہوں تو فتویٰ دینے میں ترتیب کیا ہوگی؟ امام احمد رضا قدس سرہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

’’پہلے قول امام، پھر امام ابو یوسف، پھر امام محمد، پھر امام زفر و امام حسن بن زیاد، درمختار میں ہے:

یاخذ القاضی کالمفتی بقول ابی حنیفۃ علی الاطلاق ثم بقول ابی یوسف ثم بقول محمد ثم بقول زفر والحسن بن زیاد ھوا لاصح۔‘‘[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۴،ص:۳۷۴]

خاتمۃ المحققین علامہ ابن عابدین شامی شرح عقود رسم المفتی میں فرماتے ہیں:

’’جب کسی مسئلے میں امام ابوحنیفہ کا قول نہ ہو تو امام ابو یوسف کے ظاہر قول کو لیا جائے گا پھر امام محمد کے ظاہر قول کو لیا جائے گا پھر زفر و حسن وغیرہم کے ظاہر قول کو لیا جائے گا پہلے بڑے کا قول پھر اس کے بعد والے کا علی الترتیب۔‘‘ [فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱، ص:۱۵۷]

مختلف فیہ اقوال میں ترجیح کے وجوہات:

اگر کسی ایک مسئلہ میں چند مختلف اقوال ہوں تو ان میں کسی ایک قول کو دیگر اقوال پر ترجیح دینے کے کیا اسباب ہوں گے؟ امام احمد رضا قدس سرہ نے وجوہ ترجیحات کا یوں ذکر فرمایا ہے:

(۱) تصحیح کی آکدیت۔

(۲) ایک کا متن میں اور دوسرے کا شروح میں ہونا۔

(۳) ایک کا شروح میں ہونا اور دوسرے کا فتاوی میں ہونا۔

(۴) ایک میں تعلیل کی گئی اور دوسرے میں نہ کی گئی۔

(۵) استحسان ہونا۔

(۶) ظاہر الروایہ ہونا۔

(۷) وقف کے لیے زائد نفع بخش ہونا۔

(۸) اکثر کا قول ہونا۔

(۹،۱۰) اہل زمانہ کے حق میں زیادہ مناسب ہونا یا معقول ہونا۔

[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:۱،ص:۱۶۹]

قول امام سے عدول کب جائز؟

تبدیلی احکام میں اسباب ستہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں، ان چھ اسباب میں سے کوئی سبب متحقق ہو تو قول امام بدل جاتا ہے، قول ظاہر کے خلاف قول ضروری پر عمل ہوتا ہے وہ چھ اسباب یہ ہیں:

(۱) ضرورت۔ (۲) دفع حرج۔ (۳) عرف۔

(۴) تعامل۔ (۵) دینی ضروری مصلحت کی تحصیل۔ (۶) کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ۔

ان سب میں بھی حقیقۃ قول امام ہی پر عمل ہوتا ہے۔ اس تعلق سے امام احمد رضا قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں:

مثل ذلك يقع فى اقوال الائمة اما لحدوث ضرورة اوحرج او عرف

اوتعامل اومصلحة مهمة تجلب اومفسدة ملمة تسلب وذلك لان استثناء الضرورات ودفع الحرج ومراعاة المصالح الدينية الخالية عن مفسدة تربو عليها درء المفاسد والاخذ بالعرف والعمل بالتعامل كل ذلك قواعد كلية معلومة من الشرع ليس احد من الائمة الا مائلا اليها وقائلا بها ومعولا عليها ۔ [فتاوی رضویہ مترجم، ج:۱،ص:۱۱۰]

ترجمہ:

اور اس قسم کی چیزیں اقوال ائمہ میں ہوتی ہیں اور ان کے اسباب یہ ہو سکتے ہیں:

(۱) ضرورت (۲) حرج (۳) عرف (۴) تعامل ۔

(۵) اہم مصلحت (۶) فساد، اور یہ اس لیے ہے کہ ضرورتوں کا استثناء، حرج کا دفع کرنا اور مصالح دینیہ کی رعایت جوزیادہ مفاسد سے خالی ہوں اور مفاسد کو دور کرنا، عرف کو اختیار کرنا اور تعامل پر عمل کرنا یہ ایسے شرعی قواعد کلیہ ہیں جو سب کو معلوم ہیں، اور ائمہ یا تو ان کی طرف مائل ہیں یا ان کے قائل ہیں، یا ان پر اعتماد کرتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ کے سب سے اول مفتی:

فتوی شرعی یعنی حکم شرعی سے آگاہ کرنے کی ابتدا قرآن کریم کے نزول سے ہوئی اور پورا قرآن کریم اسی لیے نازل ہوا کہ لوگوں کو مذہب اسلام سے روشناس کیا جائے اور شریعت اسلامیہ سے آگاہی بخشی جائے، پھر جن احکام شرعیہ میں اجمال تھا ان کو آقائے دوعالم ﷺ نے کبھی وحی متلو یعنی قرآن کریم کی آیات مبارکہ سے اور کبھی وحی غیر متلو (حدیث) یعنی اپنے اقوال مبارکہ اور افعال کریمانہ سے بیان فرمایا، اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو آقائے دوعالم ﷺ شریعت اسلامیہ کے سب سے اول مفتی ہیں، خداوند قدوس نے سب سے پہلے افتا کے منصب جلیل سے آپ کو سرفراز کیا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ (نسا:۱۲۷) ترجمہ: اے محبوب! اور تم سے عورتوں کے بارے میں فتوی پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں ان کا فتوی دیتا ہے اور وہ جو تم پر قرآن میں پڑھا جاتا ہے۔ (کنز الایمان)

آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں افتا کا سلسلہ جاری فرمایا، زمانہ رسالت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی مفتی الثقلین اور من جانب اللہ منصب افتا پر فائز تھے، آپ نے فتویٰ کے ذریعہ ہر باب میں رہنمائی کی، عبادات ومعاملات، معاشرت واخلاقیات وغیرہ میں آپ کے فتاویٰ مشعل راہ ہیں، آپ کے مبارک عہد میں کوئی دوسرا فتویٰ دینے والا نہ تھا۔

استفتا اور افتا کا سلسلہ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی تھا، آج بھی ہے، اور انشاء اللہ صبح قیامت تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا لیکن آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوران میں سب سے زیادہ مستند، قیمتی اور زریں دور ہے جس میں مستفتی صحابہ کرام جیسی پاک باز اور نفوس قدسیہ کی جماعت ہوتی اور مفتی آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابرکت صفات والی ذات ہوتی، جس میں ہر مسئلہ کا مکمل، مقدس اور تشفی بخش حل ہوا کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو افتا کی دولت عطا کرنے کے ساتھ شارع اسلام بھی بنادیا تھا اور کسی چیز کی حلت وحرمت کے سلسلہ میں تشریعی اختیارات بھی آپ کو دے دیا تھا جس کے متعدد شواہد احادیث مبارکہ میں موجود ہیں۔

آپ کبھی کبھی کسی صحابی کو دور دراز علاقہ میں قاضی ومفتی بنا کر بھیجتے اور یہ وہاں منصب افتا وقضا سنبھالتے اور لوگوں کی شرعی رہنمائی کرتے جیسے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور انہیں قرآن وسنت اور قیاس واجتہاد کے ذریعہ حکم شرعی بیان کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

آپ کے بعد یہ ذمہ داری صحابہ کرام نے نبھائی اور احسن طریقے سے اس فریضہ کو انجام دیا، صحابہ کرام میں اصحاب فتاویٰ تقریبا ۱۳۰ رحضرات تھے جن میں مرد اور عورتیں شامل ہیں ان میں فتویٰ کے اعتبار سے سات صحابہ کرام ایسے ہیں جن کے فتاویٰ کثرت سے ہیں، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۴) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۵) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶) حضرت عبد اللہ بن عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۷) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ان حضرات کے فتاوے اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ہر صحابی کے مسائل وفتاویٰ کی کئی کئی ضخیم جلدیں تیار ہوجائیں، پھر تابعین کا زمانہ آیا اور اسلامی فتوحات کا سلسلہ دراز ہونے کی وجہ سے اسلام دور دراز علاقوں تک پھیل گیا اور تابعین فقہا کی ایک جماعت نے مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ اور کوفہ وبصرہ میں فقہ وفتاویٰ کی عظیم خدمات انجام دیں۔

مشاہیر مفتیان کرام:

ذیل میں عہد نبوی ﷺ کی رحلت کے بعد بعض مفتیان کرام کا ذکر کرتے ہیں، جس سے فتاویٰ کی ابتدا واولیات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

مفتیان مکہ معظّمہ:

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت مجاہد بن زبیر، حضرت عکرمہ بن عباس، حضرت ابوزبیر محمد بن مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مفتیان مدینہ منورہ:

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (خلفائے اربعہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت سعید بن مسیب مخزومی، حضرت عروہ بن زبیر بن عوام، حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن، حضرت علی بن حسین، حضرت عبید اللہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مفتیان کوفہ:

حضرت علقمہ بن قیس، حضرت مسروق بن اجدع، حضرت شریح بن حارث، حضرت سعید بن جبیر، حضرت عامر بن شرحبیل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مفتیان مصر:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت یزید بن ابی حبیب، رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

مفتیانِ شام:

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم، حضرت رجا بن حیوۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

مفتیانِ یمن:

حضرت طاؤس بن کیسان، حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ (مقدمہ فتاویٰ مظہری، ص:۴۸)

فتویٰ کی مختصر تاریخ:

فتویٰ کی تاریخ کا اگر تحقیقی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا آغاز عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی ہو گیا تھا جیسا کہ مذکور ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں حضرات صحابہ وصحابیات مرد اور عورتیں سبھی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فتویٰ پوچھنے حاضر آیا کرتی تھیں، اسلامی تعلیمات کا درس لیتیں اور درپیش آنے والے مسائل دریافت کرتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو فتویٰ صادر فرماتے اور ان کے سوالات کے تشفی بخش جوابات عنایت فرماتے تھے، اگر بسا اوقات آپ مصروف ہوتے تو فرماتے ''جاؤ ابوبکر سے پوچھو'' عورتوں کو بعض زنانہ مسائل مردوں سے پوچھنے میں شرم آتی تو عورتیں عورتوں سے ہی بے تکلف پوچھ لیا کرتی تھیں، زیادہ تر عورتیں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آتیں اور مسائل شرعیہ سے واقفیت حاصل کرتیں، مفتی عورتوں میں زیادہ تر امہات المؤمنین اور ان کی پروردہ عورتیں نظر آتی ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دور خلافت میں پیچیدہ اور اہم مسئلوں میں امہات المؤمنین سے اکثر مشورہ فرمایا کرتے تھے، چنانچہ سورہ احزاب میں ازواج مطہرات امہات المؤمنین کے فرائض میں اس کا اس طرح ذکر ملتا ہے:

''وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ'' [احزاب: ۳۴]

ترجمہ: اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں اور حکمت۔ (کنز الایمان)

مختصر یہ کہ پہلا مجموعہ فتاویٰ تو قرآن کریم ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: ''وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا'' [فرقان: ۳۳] ترجمہ: اور یہ کوئی

کہاوت تمہارے پاس نہ لائیں گے مگر ہم حق اور اس سے بہتر بیان لے آئیں گے (کنزالا یمان)۔

قرآن کریم کے بعد احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے لیکن چونکہ یہ امور فقہیہ وغیر فقہیہ مسئولہ وغیر مسئولہ پر محتوی ہیں اس لیے جزوی طور پر فتاویٰ کا ذکر ملتا ہے، بعد میں رفتہ رفتہ فتویٰ نویسی نے ایک فن کی حیثیت اختیار کر لی اور بکثرت کتب فتاویٰ منظر عام پر آئیں۔ (مقدمہ فتاویٰ مظہری، ص: ۴۸)

فقہ کی تعریف، موضوع اور غرض وغایت

علم فقہ کی لغوی تعریف:

فقہ کا لغوی معنی کسی شی کو کھولنا اور واضح کرنا ہے، کشف الظنون میں ہے: الفقه حقيقة الشق والفتح۔ (کشف الظنون، ص: ۸۱)

علامہ زمخشری نے فقیہ کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے'' الفقيه العالم الذى يشق الاحكام ويفتش عن حقائقها ويفتح ما استغلق منها ''یعنی فقیہ ایسے عالم دین کو کہتے ہیں جو احکام شریعت کی تہیں کھولتا ہے اور ان کے حقائق کی تفتیش کرتا ہے۔ (الفائق للزمخشری، ص: ۸۱)

علم فقہ کی اصطلاحی تعریف:

اور اصطلاح شرع میں فقہ کی مشہور تعریف یہ ہے: هو العلم بالاحكام الشرعية الفرعية من ادلتها التفصيلية۔ ترجمہ: فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کے اس علم کو کہتے ہیں جو احکام کے تفصیلی دلائل سے حاصل ہو، احکام فرعی وہ ہیں جن کا تعلق عمل سے ہوتا ہے اور احکام اصلی وہ ہیں جن کا تعلق اعتقاد سے ہوتا ہے۔

احکام کی ادلۂ مفصلہ چار ہیں:

(۱) قرآن پاک (۲) حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۳) اجماع (۴) قیاس

عہد صحابہ وتابعین میں فقہ کا لفظ ہر قسم کے دینی احکام کے فہم پر بولا جاتا تھا جس میں ایمان وعقائد، عبادات واخلاق، معاملات اور حدود وفرائض سب شامل تھے یہی وجہ ہے کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی: معرفة النفس ما

لها وما علیہا۔ (التوضیح والتلویح،ص:۳۴) یعنی جس سے انسان نفع ونقصان اور حقوق وفرائض کو جان لے وہ فقہ ہے۔ مگر بعد میں جب علاحدہ طور پر ہر فن کی تدوین وتفصیل ہوئی تو فقہ عبادات ومعاملات اور معاشرت کے ظاہری احکام کے لیے خاص ہو گیا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فقیہ کی تصوفانہ تعریف اس طرح فرماتے ہیں:

''فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے، دین میں کامل بصیرت رکھتا ہو، طاعات پر مداومت اپنی عادت بنالے، کسی حال میں بھی مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے، مسلمانوں کا اجتماعی مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو، مال کی طمع نہ رکھے، آفات نفسانی کی باریکیوں کو پہچانتا ہو، عمل کو فاسد کرنے والی چیزوں سے بھی باخبر ہو، راہ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو، دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت بھی اپنے اندر رکھتا ہو، سفر وحضر اور جلوت وخلوت میں ہر وقت دل پر خوفِ الٰہی کا غلبہ ہو۔'' (احیاء العلوم)

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول سے فقہ اور تصوف کے باہمی ربط وتعلق کی مزید وضاحت ہوتی ہے، آپ فرماتے ہیں:

''من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق ومن تصوف ولم يتفقه فقد تزندق ومن جمع بينهما فقد تحقق (شرح عین العلم وزین الحلم للملا علی القاری رحمہ اللہ الباری، ج:۱،ص:۳۳)'' جس نے عالم شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ طرز صوفیا کی پیروی نہ کی وہ بے عمل ٹھہرا اور جس نے صرف زہد اختیار کیا اور شریعت کے علم سے بے بہرہ رہا اس کے ایمان کا بھی بھروسہ نہیں اور جس نے دونوں ہی حاصل کیا وہ کمال کو پہونچا۔

بلکہ ابتدا میں فقہ اور تصوف دونوں ایک ہی دائرہ علم میں آتے تھے، جیسا کہ مسلم الثبوت کی اس تحریر سے پتہ چلتا ہے۔

حاشیہ مسلم الثبوت میں ہے:

ان الفقه فی الزمان القديم كان متناولا لعلم الحقيقة وهى الالٰهيات من مباحث الذات والصفات وعلم الطريقة وهى مباحث المنجيات والمهلكات وعلم الشريعة الظاهرة۔ (مسلم الثبوت،ص:۷)

زمانہ قدیم میں علم فقہ، علم حقیقت کے مباحث پر مشتمل ہوتا تھا جسے علم الٰہیات کہتے ہیں اور جس میں خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات سے بحث ہوتی ہے، یوں ہی نجات بخش اور ہلاکت آمیز چیزوں کے علم، علم طریقت اور شریعت مطہرہ کے ظاہری علوم بھی اس علم کے دائرے میں آتے تھے۔

علم فقہ کا موضوع:

علم فقہ کا موضوع مکلف آدمی کا فعل وعمل ہے جس کے احوال سے اس علم میں بحث ہوتی ہے مثلاً اس کا صحیح ہونا، صحیح نہ ہونا، فرض ہونا، فرض نہ ہونا، حلال یا حرام ہونا، حلال یا حرام نہ ہونا وغیرہ۔

علم فقہ کی غرض وغایت:

علم فقہ کی غرض و غایت سعادت دارین سے سرفراز ہونا ہے، احکام شرعیہ کے موافق عمل کرنے کی قوت اور ملکہ پیدا کرنا ہے کہ جس سے دنیا وآخرت کی کامیابی ملتی ہے، فقیہ دنیا میں خود بھی جہالت کی تاریکیوں سے نکل کر علم کی روشنی حاصل کرتا ہے، مخلوق خدا کو اس کی تعلیم دے کر اجر وثواب پاتا ہے اور مراتب عالیہ کا مستحق ہوتا ہے۔

علم فقہ کی شرعی حیثیت:

علم فقہ کا سیکھنا فرض عین بھی ہے اور فرض کفایہ بھی، اتنی معلومات حاصل کرنا، جن کی دین میں احتیاج واقع ہوتی ہے فرض عین ہے، اور زائد از ضرورت دوسروں کے نفع کے لیے حاصل کرنا فرض کفایہ ہے، تاکہ دوسرے لوگ بھی مہالک ومحرمات سے بچیں، اور علم فقہ کی جمیع انواع طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح، طلاق، عتاق وغیرہ کو معلوم کرنا اور ان میں تبحر پیدا کرنا مندوب ومستحب ہے، البتہ مالدار پر مسائل زکوٰۃ وحج اور نکاح کرنے والے پر مسائل نکاح اور طلاق دینے والے پر مسائل طلاق اور سوداگر پر مسائل بیوع اور کاشتکار پر کاشت کے شرعی مسائل غرضیکہ جو شخص جس چیز کا شغل رکھتا ہو اس پر اس کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے تاکہ اس میں ارتکاب حرام سے محفوظ رہ سکے۔

علم فقہ کی فضیلت وعظمت:

اللہ عزوجل کا قرآن مقدس میں ارشاد ہے: يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَّشَآءُ وَمَن يُّؤْتَ

الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا (بقرہ:۲۶۹) ترجمہ: اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔ (کنزالایمان)

اس میں بہت سے مفسرین نے حکمت سے مراد فقہ لیا ہے یعنی جس کو علم فقہ دیا گیا اسے خیر کثیر دی گئی۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی ہے: فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔ (توبہ: ۱۲۲) ترجمہ: تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں۔ (کنزالایمان)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ”من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین (مسند امام احمد ابن حنبل ج: ۳ ص: ۹۴) یعنی جس بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے تفقہ فی الدین یعنی دین کی فقاہت اور صحیح سمجھ عطا فرماتا ہے نیز آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ: فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد (ترمذی شریف: ج: ۲، ص: ۹۳) ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ بھاری ہے، کیونکہ عابد کی عبادت بلا بصیرت ہوتی ہے اس لئے شیطان پر بہت آسان ہوتا ہے کہ وہ اس کو گمراہی کے گڑھے میں ڈھکیل دے اور شکوک وشبہات کے جال میں پھنسا دے مگر فقیہ مسائل شرعیہ جاننے کی وجہ سے اکثر اوقات گمراہی سے بچ جاتا ہے۔

دارقطنی اور بیہقی کی روایت بھی اسی معنی میں ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ولفقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد ولکل شئی عماد وعماد الدین الفقہ [دارقطنی، ج: ۳، ص: ۷۹] ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے اور ہر چیز کا ایک ستون ہے اور دین کا ستون فقہ ہے۔

فقہ کی عظمت واہمیت کا اندازہ درج ذیل قول سے ہوتا ہے، چنانچہ الاشباہ والنظائر میں ہے:

الفقہ اشرف العلوم قدرا واعظمہا اجرا واتمہا عائدۃ واعمہا فائدۃ

واعلاها مرتبة واسناها منقبة ، يملأ العيون نورا والقلوب سرورا والصدور انشراحا [الاشباہ والنظائر، ص: ۱۳] علم فقہ تمام علوم میں قدر ومنزلت کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے اور اجر کے اعتبار سے بھی اس کا مرتبہ اونچا ہے، علم فقہ اپنے مقام ومرتبہ کے اعتبار سے بہت بلند ہے اور وہ آنکھوں کو نور اور جلا بخشتا ہے اور دلوں کو سکون اور فرحت بخشتا ہے اور اس سے شرح صدر حاصل ہوتا ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی نے فقہ کی عظمت کا تذکرہ کچھ اس طرح کیا ہے:

وخیرالعلوم علم فقه لانه — یکون الی العلوم توسلا
فان فقیها واحدا متورعا — علی الف ذی زهد تفضل واعتلی
تفقه فان الفقه افضل قائد — الی البر والتقوی واعدل قاصد
وکن مستفیدا کل یوم زیادة — من الفقه واسبح فی بحور الفوائد

[درمختار، ج:۱،ص: ۱۲۳، ۱۲۲]

ترجمہ:

تمام علوم میں قدر ومنزلت اور مقام ومرتبہ کے اعتبار سے سب سے بہتر علم فقہ ہے، اس لیے کہ علم فقہ تمام علوم تک پہونچنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے، اسی وجہ سے ایک متقی فقیہ ہزار عابدوں سے بھاری ہوتا ہے، علم فقہ حاصل کرو کہ نیکی اور تقویٰ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ہر دن علم فقہ سے مستفید ہوتے رہو اور اس کے سمندر میں غوطہ زنی کرتے رہو۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''العلم علمان علم الفقه للادیان وعلم الطب للابدان وما وراء ذلك فهو عناء اوعیب'' ترجمہ: سیکھنے کے لائق تو بس دو ہی علم ہیں ایک علم فقہ جس کے بغیر دین کے احکام سے ناواقفیت رہ جاتی ہے اور دوسرا علم طب جس سے صحت انسانی کی تعمیر ہوتی ہے اور بقیہ علوم تو بس حظ نفس کا ذریعہ ہیں۔ [آداب الشافعی ومناقبہ، ۲۴۴]

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ دو علم ضروری ہے کہ ان کی تحصیل ہر شخص کے لیے درجہ وجوب میں ہے، ان کے علاوہ دیگر علوم درجہ کفایت میں ہیں، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بقیہ علوم بے سود اور غیر نفع بخش ہیں۔

فقہ کی مختصر تاریخ:

فقہ کی تاریخ کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں احکام کی قسمیں پیدا نہیں ہوئیں تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کے سامنے وضو فرماتے تھے اور کچھ نہ بتاتے تھے کہ یہ رکن ہے، یہ واجب ہے، یہ مستحب ہے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کو دیکھ کر اسی طرح وضو کیا کرتے تھے، نماز کا بھی یہی حال تھا، یعنی صحابہ کرام فرض و واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے تھے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھتے خود بھی پڑھ لیتے، حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے کسی قوم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے زیادہ بہتر نہیں دیکھا، لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں تیرہ مسائل سے زیادہ نہیں پوچھے، جو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں، البتہ جو واقعات و معاملات غیر معمولی طور سے پیش آتے تھے ان میں لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفتا کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جواب دیتے، اکثر ایسا بھی ہوتا کہ لوگوں نے کوئی کام کیا اور آپ نے اس پر تحسین کی یا اس سے عدم رضامندی ظاہر کی، اس قسم کے فتوے عام مجمعوں میں ہوتے تھے اور لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کو ملحوظ رکھتے تھے، حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی، اور تہذیب و تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت درپیش ہوئی، اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا، مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کر دیا اب بحث یہ پیش آئی کہ ''نماز ہوئی یا نہیں''؟ اس بحث کے پیدا ہونے کے ساتھ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز میں جس قدر اعمال تھے سب کو فرض کہہ دیا جاتا، صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز میں کتنے ارکان فرض و واجب ہیں؟ کتنے مسنون و مستحب ہیں؟ اس تفریق کے لئے جو اصول قرار دئے جاسکتے تھے ان پر تمام صحابہ کرام کی آرا کا متفق ہونا ممکن نہ تھا، اس لیے مسائل میں اختلاف آرا ہوا اور اکثر مسائل میں صحابہ کرام کی مختلف رائے قائم ہوئیں، بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ان کا عین و اثر بھی نہیں پایا جا رہا تھا، صحابہ کرام کو ان صورتوں میں استنباط، تفریع، حمل النظیر علی النظیر، قیاس سے کام لینا پڑا، ان اصولوں کے طرق یکساں نہ تھے اس لیے ضروری اختلاف پیدا

ہوئے غرضیکہ صحابہ کرام ہی کے زمانہ میں احکام اور مسائل کا ایک دفتر بن گیا اور جدا جدا طریقے قائم ہوگیے۔(تاریخ علم فقہ ص:۱۵/۱۴)

مجتہدین صحابہ:

حابہ کرام جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست اکتساب فیض کیا وہ سب عادل وصادق ضرور تھے مگر سب مجتہد اور تشریعی احکام کے ماہر نہیں تھے بلکہ بیشتر صحابہ نے صرف ضروری مسائل سیکھنے پر اکتفا کیا اس کے بعد الگ الگ کاموں میں مصروف ومشغول ہوگیے کچھ صحابہ جہاد میں مشغول رہے، کچھ تجارت اور کھیتی باڑی میں مصروف رہے،غرضیکہ دین اسلام کے فروغ کے لئے مختلف تقاضے تھے اور ہر طرح کے افراد کی ضرورت تھی اور حسب ضرورت صحابہ نے الگ الگ میدان کا انتخاب کیا،جس کی وجہ سے تقریباً ڈیڑھ سو صحابہ کرام ہی صرف مجتہدین صحابہ تھے باقی سب غیر مجتہدین تھے۔

مجتہدین صحابہ کے اقسام

مجتہدین صحابہ سے جو فتاویٰ منقول ہیں ان کی قلت وکثرت کے اعتبار سے مجتہدین صحابہ کی تین قسمیں ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) مجتہدین مکثرین (۲) مجتہدین متوسطین (۳) مجتہدین مقلین

مجتہدین مکثرین:

پہلی جماعت ان مجتہدین صحابہ کی ہے جن سے کثیر فتاویٰ منقول ہیں،وہ مکثرین کہلاتے ہیں ان کی تعداد سات ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۴) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۵) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۷) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مجتہدین متوسطین:

دوسری جماعت ان مجتہدین صحابہ کی ہے جن سے فتاویٰ کم تعداد میں منقول ہیں اور یہ متوسطین کہلاتے ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر صدیق۔(۲) حضرت عثمان غنی۔(۳) ام المؤمنین ام سلمہ۔
(۴) حضرت ابو ہریرہ۔(۵) حضرت انس بن مالک۔(۶) حضرت ابوسعید خدری۔
(۷) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص۔(۸) حضرت عبداللہ بن زبیر۔
(۹) حضرت ابوموسیٰ اشعری۔(۱۰) حضرت سعد بن ابی وقاص۔
(۱۱) حضرت سلمان فارسی۔(۱۲) حضرت جابر بن عبداللہ۔
(۱۳) حضرت معاذ بن جبل۔(۱۴) حضرت طلحہ بن عبیداللہ۔
(۱۵) حضرت زبیر بن عوام۔(۱۶) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔
(۱۷) حضرت عمران بن حصین۔(۱۸) حضرت ابوبکرہ۔
(۱۹) حضرت عبادہ بن صامت۔(۲۰) حضرت معاویہ بن سفیان؛ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

مجتہدین مقلین:

تیسری جماعت ان مجتہدین صحابہ کی ہے جن سے دو چار مسائل منقول ہیں اور یہ مقلین کہلاتے ہیں، ایسے صحابہ کی تعداد کثیر ہے ان میں اجل صحابہ کرام کے ساتھ کچھ صحابیات، امہات المؤمنین اور خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا وغیرہا بھی شامل ہیں۔
(الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ ،ص ر ۵۴، ۵۵۳)

ان اکابر صحابہ وصحابیات کے علم وفضل سے فیض یاب ہونے والے حضرات بکثرت ہیں۔

مختلف بلاد اسلامیہ میں علم فقہ کا فروغ

خلافت راشدہ اور اس کے بعد جب فتوحات اسلامیہ کا دائرہ وسیع ہوتا گیا تو اب صحابہ کرام صرف حرمین طیبین اور حجاز تک ہی محدود نہیں رہ گیے بلکہ انہوں نے مختلف شہروں میں سکونت اختیار کر لی اور اپنے اپنے بلاد وامصار میں علم وعرفاں کی شمع روشن کر کے بڑی تعداد میں لوگوں کے قلوب واذہان کو منور ومجلی فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ ہی میں قیام فرمایا اور یہاں درج ذیل حضرات نے آپ سے اکتساب علم کیا اور آپ کے تلامذہ کی صف میں داخل ہوئے۔

نافع، اسلم مولیٰ عمر، سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، خارجہ بن زید، عبید اللہ بن عبداللہ، سلیمان بن یسار، سالم بن عبداللہ بن عمر، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہم۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا مسکن مکہ مکرمہ کو بنایا اور یہاں اپنی درسگاہ سجائی، آپ کے فیض یافتگان میں جلیل القدر تابعین وائمہ کی ایک لمبی فہرست ہے، آپ کے تلامذہ میں حضرت امام مجاہد، حضرت سعید بن جبیر، حضرت عطا بن ابی رباح، حضرت طاؤس بن کیسان اور حضرت کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے عظیم وجلیل ائمہ بھی ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بصرہ میں بے شمار حضرات کو اپنے علمی فیضان سے مستفیض ہونے کا شرف بخشا، ان میں حضرت حسن بصری اور حضرت محمد بن سیرین جیسے علم وعرفان کے کوہ گراں بھی تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کو رونق بخشی اور اپنے علم وفضل سے کوفہ کو مالا مال کر دیا، یہاں آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے جن میں حضرت اسود بن یزید، حضرت علقمہ بن قیس، حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسما سر فہرست ہیں۔

ان صحابہ کرام اور پھر ان کے تلامذہ نے مختلف شہروں میں جب فقہی مسائل کا شہرہ عام کیا تو ایک عالم ان کے علمی وفقہی تجلیات سے جگمگا اٹھا۔

حضرت علقمہ بن قیس:

حضرت علقمہ بن قیس نہایت عظیم فقیہ تھے، حضور ﷺ کے عہد مبارک میں آپ کی ولادت ہوئی تھی لیکن آقائے دوجہاں ﷺ کی زیارت آپ کو نصیب نہیں ہوئی تھی، قرآن کریم اور علم فقہ کی تعلیم ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عمر فاروق، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور حضرت ابودردا سے حاصل کی اور خاص طور پر حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اکتساب علم وفیض کیا۔ (ردالمحتار، ۱/۱۴۱)

حضرت ابراہیم نخعی:

آپ کا نام ابراہیم کنیت ابوعمران اور والد کا نام یزید ہے، آپ نخعی ہیں یعنی قبیلہ

''نخع'' کی طرف منسوب ہیں جونخع بن عمرو کی جانب منسوب کیا جاتا ہے،آپ حضرت علقمہ بن قیس کے بھانجے ہیں اور فقیہ عراق کے لقب سے مشہور ہوئے۔

آپ کے تلامذہ میں عظیم محدث امام اعمش ،منصور،ابن عون اور مغیرہ بن مقسم شمار ہوتے ہیں اور فقہ میں خاص طور پر حضرت حماد بن ابی سلیمان آپ کے تلمیذ رشید ہیں ،آپ نے بچپن میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔(تاریخ بخاری:۱/ ۳۳۴)

حضرت حماد بن ابی سلیمان:

آپ کا نام حماد اور کنیت ابو اسماعیل ہے ،والد کا نام مسلم اور کنیت ابوسلیمان تھی ، آپ کے اساتذہ میں حضرت انس صحابی رسول ، زید بن وہیب ،سعید بن مسیب ،سعید بن جبیر ،عکرمہ مولیٰ بن عباس ، ابو وائل ، عامر شعبی اور حضرت ابراہیم نخعی وغیرہم جلیل القدر ائمہ ہیں ، اور تلامذہ میں امام شعبی ، امام ثوری ،حماد بن سلمہ ،مسعر بن کدام ، امام اعمش ، اور امام اعظم ابوحنیفہ جیسے ائمہ وقت کا شمار ہوتا ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ:

نام ونسب: آپ کا نام نعمان ،کنیت ابوحنیفہ اور القاب امام اعظم ،امام الائمہ ،رئیس الفقہا والمحدثین وغیرہ ہیں۔آپ کے دادا کابل سے تعلق رکھتے تھے ،آپ کا سلسلہ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے:

نعمان بن ثابت بن مرزبان زوطی بن ثابت بن یزدگرد بن شہر یار بن پرویز بن نوشیرواں ،آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تک پہنچتا ہے اور یہاں آکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کا نسب مل جاتا ہے۔

وجہ تسمیہ:

آپ کے نام کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ''نعمان'' لغت عرب میں خون کو کہتے ہیں جس پر مدار حیات ہے ،نیک فالی کے طور پر آپ کا یہ نام رکھا گیا ،آپ نے شریعت اسلامیہ کے وہ اصول مرتب کیے جو مقبول خلائق ہوئے اور شریعت مطہرہ کی ہمہ گیری کا ذریعہ بنے ، یہاں تک کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی آپ کی علمی شوکت وفقہی جلالت

شان کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے:

''الناس فی الفقه عیال ابی حنیفة'' فقہ میں سب لوگ ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔

کنیت کی وضاحت:

آپ کی کنیت ''ابوحنیفہ'' کے سلسلے میں متعدد اقوال ہیں ان میں سے ایک مشہور قول ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

کوفہ کی جامع مسجد میں چار سو دواتیں طلبا کے لیے ہمیشہ وقف رہتی تھیں، امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا، آپ کے ہر شاگرد کے پاس الگ الگ دوات رہتی تھی، اور اہل عرب دوات کو حنیفہ کہتے ہیں لہٰذا اسی مناسبت سے آپ کو ابوحنیفہ کہا جانے لگا۔ (سوانح امام اعظم ابوحنیفہ، ص:٦٠)

بشارت عظمیٰ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اسی مجلس میں سورہ جمعہ نازل ہوئی، جب آپ نے اس سورہ کی آیت ''اٰخرین منهم لما یلحقو بهم'' پڑھی تو حاضرین میں سے کسی نے پوچھا یارسول اللہ! یہ دوسرے حضرات کون ہیں جو ابھی ہم سے نہیں ملے؟ حضور یہ سن کر خاموش رہے، جب بار بار پوچھا گیا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاندھے پر دست اقدس رکھ کر آپ نے یہ ارشاد فرمایا:

''لو کان الایمان عند الثریا لناله رجل من هولاء'' (الجامع الصحیح للبخاری، ج:٢،ص:٧٢٧) اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو اس کی قوم کا ایک فرد اسے حاصل کرلے گا۔

یہ حدیث متعدد سندوں سے مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے جن کا مفہوم ومعنی ایک ہے۔

علامہ ابن حجر مکی نے حافظ امام سیوطی کے بعض شاگردوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہمارے استاذ امام سیوطی یقین کے ساتھ کہتے تھے کہ ''اس حدیث کے اولین مصداق

صرف امام اعظم ابوحنیفہ ہیں کیونکہ امام اعظم کے زمانے میں اہل فارس سے کوئی بھی آپ کے علم وفضل تک نہ پہنچ سکا۔'' (تذکرۃ المحدثین ،ص:۴۸)

تحصیل علم:

آپ نے ابتدائی ضروری تعلیم کے بعد تجارت کا میدان اختیار کرلیا تھا، ایک دن تجارت کے سلسلے میں بازار جارہے تھے، راستے میں امام شعبی سے ملاقات ہوئی، امام شعبی وہ عظیم تابعی ہیں جنہوں نے پانچ سوصحابہ کرام کا زمانہ پایا، فرمایا: کہاں جاتے ہو؟ عرض کی: بازار، امام شعبی نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے چہرے پر ذہانت وسعادت کے آثار نمایاں دیکھ کر ارشاد فرمایا: ''علما کی مجلس میں نہیں بیٹھتے ہو؟'' عرض کی: نہیں، امام شعبی نے فرمایا: ''غفلت نہ کرو، تم علما کی مجلس میں بیٹھا کرو کیونکہ تمہارے چہرے میں علم وفضل کی درخشندگی کے آثار دیکھ رہا ہوں۔'' (مناقب امام اعظم ،ج:۱،ص:۵۹)

امام شعبی کی ملاقات اوران کے فرمان نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے دل میں اس قدر اثر کیا کہ آپ نے اس دن سے بازار جانا چھوڑ دیا اور تحصیل علم کی طرف دوبارہ متوجہ ہوئے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''اوراس دن سے میں بازار جانا چھوڑ دیا'' پہلے علم کلام کی طرف متوجہ ہوا، اوراس میں کمال حاصل کرنے کے بعد گمراہ فرقوں، مثلاً جہمیہ، قدریہ، سے بحث ومباحثہ کیا اور مناظرہ شروع کیا، پھر خیال آیا کہ صحابہ کرام سے زیادہ دین کو جاننے والا کون ہوسکتا ہے؟ اس کے باوجود ان حضرات نے اس طریق کو نہ اپنا کر شرعی اور فقہی مسائل سے زیادہ شغف رکھا لہٰذا مجھے بھی اس کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔'' (تاریخ بغداد للخطیب ۱۳/ ۲۳۲)

اس کے بعد امام اعظم نے امام حماد کے حلقہ تلامذہ میں شرکت کی اور اٹھارہ سال تک ان کی خدمت میں فقہ کی تعلیم حاصل کرتے رہے، درمیان میں اس سلسلہ میں دوسرے بلاد کا سفر بھی کیا، حج بیت اللہ کے لیے حرم شریف کی حاضری بھی دی، اسی طرح آپ ہرجگہ علم کی تلاش میں لگے رہے اور تقریباً چار ہزار مشائخ سے علم حدیث وفقہ حاصل کیا اور چالیس سال کی عمر میں اپنے استاذ حضرت حماد کی مسند درس پر جلوہ بار ہوئے اور اپنے تلامذہ کو پیش آمدہ مسائل وجوابات کا درس دینا شروع کیا، عقل سلیم کی مدد سے اشباہ وامثال پر قیاس کا

آغاز کیا اور اس فقہی مسلک کی داغ بیل ڈالی جس سے آگے چل کر حنفی مذہب کی بنیاد پڑی، آپ نے دراسات علمی کے ذریعہ ان اصحاب کرام کے فتاویٰ تک رسائی حاصل کی جو اجتہاد واستنباط، ذہانت وفطانت، اور جودت رائے میں اپنی مثال آپ تھے۔ (سوانح امام اعظم ابو حنیفہ،ص:۶۵)

مشاہیر شیوخ واساتذہ:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو علوم حدیث میں وہ شرف حاصل ہوا جو دیگر ائمہ کو نہیں، آپ کے مشائخ میں صحابہ کرام سے لے کر کبار تابعین اور مشاہیر محدثین تک کی ایک عظیم جماعت داخل ہے، جس کی تعداد تقریباً چار ہزار تک بیان کی گئی ہے۔

جن شیوخ واساتذہ سے آپ نے علم حدیث حاصل کیا ان میں سے بعض کے اسما یہ ہیں:

عطا ابن ابی رباح، حماد ابن ابی سلیمان، سلیمان بن مہران اعمش، امام عامر شعبی، عکرمہ مولی عباس، ابن شہاب زہری، نافع مولی بن عمر، یحیی بن سعید انصاری، عدی بن ثابت انصاری، ابوسفیان بصری، ہشام بن عروہ، سعید بن مسروق، علقمہ بن مرثد، حکم بن عینیہ، ابواسحاق بن سبیعی، سلمہ بن کہیل، ابوجعفر محمد بن علی، عاصم بن ابی النجود، علی بن اقمر، عطیہ بن سعید عوفی، عبدالکریم ابوامیہ، زیاد بن علاقہ، سلیمان مولی ام المومنین میمونہ، سالم بن عبداللہ وغیرہم۔

مشاہیر تلامذہ:

آپ سے علم حدیث وفقہ حاصل کرنے والے آپ کے بے شمار تلامذہ ہیں، آپ کے چند مشاہیر تلامذہ کے اسما اس طرح ہیں:

امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن شیبانی، امام حماد بن ابی حنیفہ، امام مالک، امام عبد اللہ بن مبارک، امام زفر بن ہذیل، امام داؤد طائی، فضیل بن عیاض، ابراہیم بن ادہم، بشر بن الحارث حافی، ابوسعید یحی بن زکریا کوفی ہمدانی، علی بن مسہر کوفی، حفص بن غیاث، حسن بن زیاد، مسعر بن کدام، نوح بن دراج نخعی، ابراہیم بن طہمان، اسحاق بن یوسف ازرق، اسد بن عمرو قاضی، عبدالرزاق، ابونعیم، حمزہ بن حبیب الزیات، ابویحیی حمانی، عیسی بن یونس، یزید

بن زریع ، وکیع بن جراح، ہیثم ، حکام بن یعلی رازی، خارجہ بن مصعب، عبد الحمید بن ابی داؤد، مصعب بن مقدام، یحیی بن یمان، لیث بن سعد، ابو عصمہ بن مریم، ابوعبد الرحمٰن مقری، ابو عاصم وغیرہم۔

مشاہیر معاصرین واقران:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے معاصرین واقران جو اپنے دور کے بلند پایہ فقیہ ومحدث تھے ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

امام حماد بن نعمان، امام ابو یوسف، امام زفر بن ہذیل، امام عبد اللہ بن مبارک، امام محمد بن حسن، امام داؤد طائی، فضیل بن عیاض، ابراہیم بن ادہم، بشر بن الحارث، شقیق بلخی، اسد بن عمرو، وکیع بن الجراح، یحیٰ بن سعید قطان، حفص بن غیاث، فضل بن موسیٰ، امام عبد الحمید بن عبد الرحمٰن، امام عبد اللہ بن ادریس کوفی، حسن بن زیاد، مسعر بن کدام، نوح بن دراج نخعی کوفی، یحیٰ بن زکریا، سفیان بن عیینہ، خالد بن سلیمان، عمرو بن دار، زید بن ہارون، عافیہ بن یزید، ابراہیم بن میمون، شریک بن عبد اللہ کوفی، شعیب بن اسحاق، حفص بن عبد الرحمٰن بلخی، حماد بن دلیل۔

معاصرین اور تلامذہ کی فہرست کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دور کے زیادہ تر فقہا ومحدثین امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اکتساب علم کیا اور آپ کے شاگرد تھے۔

تصانیف:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کلام وعقائد، فقہ واصول اور آداب و اخلاق پر بہت ساری کتابیں تصنیف فرما کر اس میدان میں بھی اولیت حاصل کی۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرویات کے مجموعے چار قسم کے شمار کیے گیے ہیں، جیسا کہ شیخ محمد امین نے ''مسانید الامام ابی حنیفہ'' میں لکھا ہے۔(۱) کتاب الآثار (۲) مسند امام ابوحنیفہ (۳) اربعینات (۴) وحدانیات۔

متقدمین میں تصنیف وتالیف کا طریقہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے لائق و قابل فخر تلامذہ کو املا کراتے یا خود تلامذہ درس میں خاص چیزیں ضبط تحریر میں لے آتے اس

کے بعد راوی کی حیثیت سے ان تمام معلومات کو جمع کر کے روایت کرتے اور شیخ کی طرف منسوب فرماتے تھے۔

معاصرین کا اعتراف:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جلالت شان اور علمی و عملی کمالات کو آپ کے تمام معاصرین واقران، محدثین وفقہا، مشائخ وصوفیا اور تلامذہ واساتذہ سب نے تسلیم کیا اور سبھوں نے بیک زبان ہو کر آپ کی برتری وفضیلت کا اعتراف کیا، حدیث وفقہ دونوں میں آپ کی علو شان کی گواہی دینے میں بڑے بڑوں نے بھی کوئی جھجھک محسوس نہیں کی۔ زیادہ تفصیل میں نہ جا کر صرف حضرت امام ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک تأثر ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابی یوسف فرماتے ہیں:

''میں نے ابوحنیفہ سے بڑھ کر حدیث کے معنی اور فقہی نکات جاننے والا کوئی شخص نہیں دیکھا جس مسئلہ میں غور وخوض کرتا تو امام اعظم کا نظریہ اخروی نجات سے زیادہ قریب تھا، میں آپ کے لیے اپنے والد سے پہلے دعا کرتا ہوں۔'' (مقدمہ فتاویٰ مفتی اعظم، ص:۱۱۵، مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

امام باقر سے مناظرہ:

ایک بار مدینہ منورہ میں حضرت امام باقر سے آپ کی ملاقات ہوئی ایک شخص نے آپ کا تعارف کرایا تو امام باقر نے فرمایا: ''اچھا! آپ وہی ہیں جو قیاس کر کے میرے جد کریم کی احادیث رد کرتے ہیں'' آپ نے عرض کیا'' معاذ اللہ، کون رد کر سکتا ہے؟'' اگر اجازت دیں تو کچھ عرض کروں؟ اجازت کے بعد آپ نے عرض کی:

حضور! مرد ضعیف ہے یا عورت؟ امام باقر نے ارشاد فرمایا: عورت۔

عرض کیا: وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟ انھوں نے جواب دیا: مرد کا۔

عرض کیا: میں قیاس سے حکم کرتا تو عورت کو مرد کا دونا حصہ دینے کا حکم دیتا۔

پھر عرض کیا: نماز افضل ہے یا روزہ؟ امام باقر نے جواب دیا: نماز۔

آپ نے فرمایا: قیاس یہ چاہتا ہے کہ حائضہ پر نماز کی قضا بدرجہ اولیٰ ہونی چاہیے، اگر قیاس سے حکم کرتا تو یہی حکم دیتا کہ حائضہ نماز کی قضا کرے۔

پھر عرض کیا: منی کی ناپا کی شدید تر ہے یا پیشاب کی؟ امام باقر نے فرمایا: پیشاب کی۔

آپ نے فرمایا: میں قیاس کرتا تو پیشاب کے بعد غسل کا حکم بدرجہ اولیٰ دیتا۔

اس پر امام باقر اتنا خوش ہوئے کہ اٹھ کر آپ کی پیشانی چوم لی، اس کے بعد ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ حضرت امام باقر امام اعظم کی خدمت میں رہ کر فقہ وحدیث کی تعلیم حاصل کی۔

وصال مبارک:

خلیفہ منصور نے آپ کو سلطنت اسلامیہ کا قاضی بنانا چاہا مگر آپ نے قبول نہ کیا، اس نے حلف اٹھالیا کہ وہ امام کو ضرور مجبور کر کے رہے گا، ادھر امام اعظم نے بھی اس منصب کو قبول نہ کرنے کی قسم کھالی، جب منصور کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے آپ کو قید کرلیا، بغداد اس وقت دار السلطنت تھا، تمام دنیائے اسلام کے علما، فقہا، امرا، تجار اور عوام وخواص بغداد آتے جاتے تھے اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شہرت پوری دنیا میں پھیل گئی تھی، قید نے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عظمت میں اور اضافہ کر دیا، لوگ مسلسل قید خانہ میں آپ سے ملنے آتے اور اکتساب فیض کرتے، منصور نے جب یہ سب کچھ دیکھا تو اسے خدشہ محسوس ہوا اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خفیہ طور پر زہر دے دیا، جب حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو آپ نے خالق بے نیاز کی بارگاہ میں سجدہ کیا اور سجدے ہی کی حالت میں آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

فقہ اسلامی کے مختلف ادوار کی ایک جھلک:

ہر علم وفن کی یہ تاریخ رہی ہے کہ اس کی تدوین اور عروج وارتقا کے منازل بتدریج ہی طے ہوتے ہیں جو صرف ایک دور میں پورا نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے کئی ادوار اور طویل زمانے کی ضرورت ہوتی ہے، عروج وارتقا کی اس تاریخی حقیقت کے لحاظ سے علم فقہ نے کئی

مرحلوں اور مختلف ادوار میں اپنا یہ قیمتی سفر طے کیا ہے، فقہ اسلامی کی تاریخ کی کتابوں میں اس سلسلہ میں پانچ دور کا ذکر ملتا ہے، جس کا اجمالی بیان یہ ہے۔

پہلا دور:

فقہ اسلامی کا پہلا دور اس کی نشو ونما اور ابتدا کا دور ہے، جس کا سلسلہ حضور اقدس ﷺ کی رسالت ونبوت سے شروع ہوتا ہے، اور آپ کی وفات پر ختم ہوتا ہے، اس دور میں فقہ اسلامی کا سر چشمہ قرآن مقدس تھا اور حضور اکرم ﷺ کے مبارک ارشادات اور آپ کی مکی و مدنی زندگی کے حالات و واقعات، جو قرآن کریم کی تشریح کی حیثیت رکھتے تھے، وہ تھے۔ مختصر یہ کہ دور نبوت میں فقہ اسلامی کا تمام تر دار و مدار وحی پر تھا، چاہے وحی متلو (قرآن کریم) ہو یا غیر متلو (احادیث مبارکہ) ہو۔ (مقدمہ درمختار)

دوسرا دور:

فقہ اسلامی کا دوسرا دور اس کی وسعت کا ہے یہ خلفائے راشدین اور کبار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا دور ہے، جو نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد شروع ہوتا ہے اور کبار صحابہ کرام کے دور تک جا کر اختتام کو پہنچتا ہے۔ خلفائے راشدین اور کبار صحابہ جو فتویٰ دینے کی اہلیت رکھتے تھے، قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرتے، قرآن و حدیث کے قواعد اور جزئیات کو سامنے رکھ کر احکام شرعی بیان کرتے، جو حکم قرآن و حدیث میں نہیں ملتا اس سلسلہ میں آپس میں باہمی مشورہ کرتے، اجتہاد و استنباط سے کام لیتے اور لوگوں کو حکم شرعی سے آگاہ کرتے۔ (سنن دارمی، ج:۱، ص: ۵۳ باب الفتیا)

تیسرا دور:

فقہ اسلامی کا تیسرا دور اس کی پختگی اور عروج و ترقی کا دور ہے، یہ اصاغر صحابہ کرام اور اکابر تابعین عظام کا دور ہے جو پہلی صدی کے نصف سے دوسری صدی کے شروع تک کا زمانہ ہے، اس دور کا آغاز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت سے ہوتا ہے اور بنو امیہ کی حکومت کے خاتمہ کے قریبی زمانہ تک کا احاطہ کرتا ہے، اس عہد میں بھی بنیادی طور پر اجتہاد و استنباط کا وہی منہج رہا جو صحابہ کرام نے اختیار کیا تھا۔

چوتھا دور:

فقہ اسلامی کا چوتھا دور دوسری صدی کے اوائل سے چوتھی صدی کے نصف تک کا ہے، اور یہ اس کی تدوین کا دور ہے، علوم وفنون کے لحاظ سے یہ دور بہت اہم ہے اسے نہ صرف فقہ اسلامی بلکہ اسلامی تمام علوم وفنون کے عروج وارتقا کا سنہرا اور زریں دور کہا جاتا ہے، اس دور میں حدیث کی تدوین کا کام شروع ہوا، چار مکاتب فکر وجود میں آئے اور ہر مکتب فکر کے لحاظ سے فقہی کتابوں کی تدوین وترتیب کا سلسلہ شروع ہوا، قواعد فقہ اور فن اصول فقہ کا بھی وجود ہوا اور اس کی باقاعدہ تدوین وترتیب عمل میں آئی، فقہی اصطلاحات جیسے جائز وناجائز، حلال وحرام، فرض وواجب، مکروہ ومستحب، وغیرہ کا ظہور بھی اسی دور میں ہوا، نیز پہلے دور کی بنسبت اس دور میں اجتہاد واستنباط کی بھی کثرت ہوئی۔

پانچواں دور:

پانچویں دور میں فقہ اسلامی کا دور تقلید شروع ہوا، یہ چوتھی صدی کے نصف آخر سے تیرہویں صدی کے نصف اواخر تک ہے، یہ دور تقلید کا دور ہے اور امت کا سواد اعظم تقلید شخصی کا پابند ہے، عہد نبوی سے بُعد اور اسلاف جیسی فقاہت اس دور میں باقی نہ ہونے کی بنا پر عام طور سے لوگ ائمہ اربعہ کے فقہی مکاتب کے پیرو اور ان کے مقلد ہو گیے، چنانچہ اس دور میں بڑے بڑے علما نے ان ائمہ کرام کی تقلید کو اپنے لیے ضروری سمجھا اور اس پر عمل کیا۔ ائمہ مجتہدین کی سعی ومحنت سے فقہ اسلامی کی ترتیب وتدوین پائے کمال کو پہنچ چکی تھی اور لوگوں کے لیے ہر طرح کے مسائل کا حل موجود تھا، اس لیے اب اجتہاد واستنباط کی مزید ضرورت نہیں رہ گئی تھی، اور یہ فطری بات ہے کہ جب کسی کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہے تو اس کی طرف لوگوں کی توجہ بھی کم ہو جاتی ہے۔

اس دور میں فقہی کتابوں کی طباعت بھی شروع ہوئی اور فقہ کے قواعد اور اصطلاحات کتابی شکل میں جمع کیے گیے، اسی عہد میں شخصی اور عائلی مسائل کو بھی کتابی شکل میں جمع کیا گیا، اسی دور میں کتب فتاویٰ کی اہم کتابیں تصنیف وتالیف ہوئیں، اگر اس دور میں فقہی کتابوں کی تصنیف وتالیف اور طباعت واشاعت نہ ہوتی تو آج فقہ وافتا کی کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ ہمارے سامنے موجود نہ ہوتا، اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو فقہ اسلامی کا اسے دور

زریں کہا جا سکتا ہے۔

ائمہ اربعہ اور ان کے فقہی مسالک و مکاتب:

فقہی مذاہب و مسالک جو اس وقت دنیا میں رائج ہیں اور مسائل شرعیہ میں مسلمانان عالم ان کی تقلید اور پیروی کرتے ہیں وہ چار ہیں۔

(۱) فقہ حنفی (۲) فقہ مالکی (۳) فقہ شافعی (۴) فقہ حنبلی۔ ان چاروں کا اجمالی بیان حسب ذیل ہے۔

فقہ حنفی:

یہ امام الائمہ سراج الامہ حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جانب منسوب ہے، ائمہ اربعہ جن کے مذاہب اس وقت دنیا میں رائج ہیں، ان میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب حنفی کے پیروکار زیادہ تر پائے جاتے ہیں، ان چاروں ائمہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے علم و فضل اور سن و سال میں سب سے مقدم ہیں، اور بالواسطہ یا بلا واسطہ تمام ائمہ آپ کے فیض یافتہ ہیں، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک طرف تابعی ہونے کا شرف حاصل ہے جو بقیہ ائمہ میں سے کسی کو حاصل نہیں، دوسری طرف آپ عمر میں ان میں سب سے بڑے ہیں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فضائل مناقب میں تحریر فرماتے ہیں:

''حاصل یہ ہے کہ تابعین کا درجہ، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد امت میں سب سے بڑھا ہوا ہے، اسی وجہ سے ہمارا اعتقاد ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مرتبہ، ائمہ مجتہدین میں سب سے اونچا ہے اور فقہائے علوم دینیہ میں آپ سب سے بلند و اکمل ہیں، آپ کے بعد امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا درجہ ہے، جو تبع تابعین کے صف میں ہیں، پھر امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اس لیے کہ آپ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بلکہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد ہیں، پھر امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا، جو امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد کے درجہ میں ہیں۔''

فقہ مالکی:

فقہ مالکی حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے، فقہ

مالکی اہل سنت و جماعت کا دوسرا بڑا فقہی مسلک ہے، اس کی نشو ونما ''مدینۃ الرسول'' میں ہوئی، جو مہبط وحی، مسکن رسول، اور ہزاروں جلیل القدر صحابہ کا ماوا وملجا تھا، اور یہاں سے پورے حجاز میں اس کی اشاعت ہوئی، پھر بصرہ، مصر، افریقہ، اندلس، وغیرہ میں اس کو غلبہ حاصل ہوا۔

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تقریباً ۵۰ رسال درس وافتا میں مشغول رہے، طلبا اور عوام جو مسائل آپ سے پوچھتے تھے، آپ کے شاگردان جوابات کو یاد کر لیتے تھے یا لکھ لیتے تھے، آپ کی وفات کے بعد آپ کے شاگردوں نے آپ کے جوابات اور فقہی اقوال و آرا کو مدون کیا اور یہ مجموعہ فقہ مالکی کے نام سے مشہور ہوا۔

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا طریقہ اجتہاد اور منہج استنباط یہ تھا کہ اگر کوئی مسئلہ در پیش ہوتا آپ سب سے پہلے کتاب اللہ کی طرف مراجعت فرماتے، اور اگر اس مسئلہ کی کتاب اللہ میں کوئی صراحت نہیں ملتی تو پھر آپ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہوتے، اگر اس میں بھی کوئی حکم شرعی نہیں ہوتا تو پھر اقوال صحابہ، تعامل مدینہ، قیاس، اجتہاد، استحسان، اور دیگر ذرائع کے طرف متوجہ ہوتا۔ (المدخل، ص:۱۵)

فقہ شافعی:

فقہ شافعی حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب ہے، اس کی نشو ونما مکہ مکرمہ میں ہوئی اور پھر اطراف واکناف عالم میں پھیل گئی، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اولاً حضرت مالک بن انس کی خدمت میں رہ کر ان کے مناہج استنباط اور اصول استنباط وطرق اجتہاد سے خوب آگاہی حاصل کی، پھر امام اعظم ابوحنیفہ کے معتمد شاگرد رشید حضرت امام محمد بن حسن شیبانی کی صحبت میں رہ کر فقہ حنفی کے مناہج اور اس کے اصول و کلیات کو اپنے سینہ میں محفوظ کیا، اور پھر دونوں مکاتب فکر کا نچوڑ اور ماحصل فقہ شافعی کی صورت میں مدون کر کے ایک نئی راہ قائم کی، آپ کی فقہ دو حصوں پر مشتمل ہے، فقہ شافعی قدیم اور فقہ شافعی جدید۔

فقہ حنبلی:

فقہ حنبلی حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب ہے، امام

احمد بن حنبل بلند پایہ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ شافعی کے سربراہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فقہ میں کمال پیدا کیا، اور ان کی خدمت میں رہ کر ان کے اصول اور مصادر فقہ سے پوری طرح واقفیت حاصل کی اور پھر حدیث وفقہ کے امتزاج سے ایک نئے فقہی مسلک کی بنیاد ڈالی جو فقہ حنبلی کے نام سے موسوم ہوئی۔

آپ کی فقہ بہت سادہ اور زیادہ تر نصوص کے ظاہر تک محدود ہے کیونکہ آپ عقل و درایت سے کام لینے کے زیادہ قائل نہ تھے، آپ کی فقہ کی بنیاد دراصل احادیث وآثار پر ہے، قیاس واجتہاد کا اس میں بہت کم دخل ہے اس لئے بعض بعض مسائل میں آپ کے سات سات اقوال بھی ملتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اجتہاد واصول استنباط ومناہج استخراج جن پر آپ نے اپنے فقہ وفتاوٰی کی بنیاد رکھی ہے، علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیق کے مطابق چار ہیں، اور وہ یہ ہیں:

(۱) نصوص: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کسی مسئلہ میں قرآن وحدیث کی نص پاتے تو اس کے مطابق فیصلہ فرماتے اور اس کے خلاف جو اقوال وفتاوی ہوتے ان کا اعتبار نہیں کرتے۔

(۲) فتاویٰ صحابہ: اگر کسی مسئلہ میں نص نہیں ملتی اور اس مسئلہ میں کسی صحابی کا فتوی ہوتا اس کو اختیار کرتے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال کے دائرے سے باہر نہیں نکلتے۔

(۳) حدیث مرسل وضعیف: اگر مسئلہ میں مرفوع اور صحیح حدیث نہیں ملتی تو حدیث مرسل اور ضعیف کو اپنے فتویٰ کی بنیاد بنا لیتے۔

(۴) قیاس: رورتاً ہی آپ قیاس سے کام لیتے تھے۔ المدخل، ص: ۱۴۴۔

فقہ کی تدوین:

فقہ وفتاویٰ کی تدوین اور ترکیب کا باضابطہ سلسلہ اموی دور سے شروع ہوا اور عہد عباسی کی ابتدا سے مختلف علوم وفنون کی طرف زیادہ توجہ ہوئی چنانچہ اسی زمانے میں فقہ کو فن کی حیثیت حاصل ہوئی اور خلفائے عباسیہ کے دور سے لے کر گذشتہ صدی کے اوائل تک بیشتر

اسلامی ممالک میں فقہ حنفی قانونی شکل میں نافذ و رائج رہا۔

ضرورت تدوین فقہ:

تاریخ سے اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خاص کس وجہ سے فقہ کی تدوین کا خیال آیا اس سلسلے میں ایک واقعہ یوں نقل کیا جاتا ہے۔

دو شخص حمام میں نہانے گیے اور حمامی کے پاس کچھ امانت رکھتے گیے ان میں سے ایک نہا کر نکلا اور حمامی سے امانت طلب کی، اس نے دے دی، یہ لے کر چل دیا، دوسرا حمام سے باہر آیا اور امانت مانگی تو اس نے عذر کیا کہ میں نے تمہارے شریک کو حوالہ کر دی، اس نے عدالت میں استغاثہ کیا، قاضی صاحب نے حمامی کو ملزم ٹھہرایا کہ جب دونوں مل کر تیرے پاس امانت رکھی تھی تو تیرے لیے ضروری تھا کہ دونوں کی موجودگی میں واپس کرتا، حمامی گھبرایا ہوا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس آیا، امام صاحب نے کہا تم جا کر اس شخص سے کہو کہ میں تمہاری امانت ادا کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن قاعدہ کے موافق تنہا تم کو نہیں دے سکتا، شریک کو لاؤ تو لے جاؤ، اس واقعہ کے بعد امام صاحب کو فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا اور اس کی ترتیب شروع کر دی۔'' (قلائد عقود البیان)

ممکن ہے کہ یہ واقعہ درست ہو لیکن اس خیال کے پیدا ہونے کے اصلی اسباب کچھ اور تھے، یہ بات تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو تدوین فقہ کا خیال تقریباً ۱۲۰ھ میں پیدا ہوا، یعنی جب ان کے استاد حماد نے وفات پائی، یہ وہ زمانہ ہے کہ اسلام میں تمدن نہایت وسعت پکڑ لیا تھا، عبادات اور معاملات کے متعلق اس کثرت سے واقعات پیدا ہو گیے تھے اور ہوتے جارہے تھے کہ ایک مرتب مجموعہ قانون کے بغیر کسی طرح کام نہیں چل سکتا تھا، نیز سلطنت کی وسعت اور دوسری قوموں کے میل جول سے تعلیم و تعلم نے اس قدر وسعت حاصل کر لی تھی کہ زبانی سند و روایت اس کا تحمل نہیں کر سکتی تھی، ایسے وقت میں قدرتی طور پر لوگوں کے دل میں خیال آیا کہ ان جزئیات کو ترتیب دے کر ایک مستقل فن کی حیثیت دی جائے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طبیعت غیر معمولی طور پر مقننہ تھی، اس کے ساتھ تجارت کی وسعت اور ملکی تعلقات نے ان کو معاملات کی ضرورتوں سے خبردار کر دیا تھا،

اطراف و بلاد سے سیکڑوں ضروری استفتا آتے تھے، ان سے آپ کو اندازہ ہوتا تھا کہ ملک کو اس فن کی کس قدر حاجت ہے، قضاۃ اور حکام فصل قضایا میں جو غلطیاں کرتے تھے ان کا بھی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے۔

غرضیکہ یہ علل وعوامل تھے جنہوں نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس فن کی تدوین اور ترتیب پر آمادہ کیا، ممکن ہے کہ کسی اور واقعہ سے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اس آمادگی کو اور تحریک ہوئی ہو جس کے ساتھ عملی کوشش کا ظہور رہوا۔

جدید مسائل میں صحابہ کا اجماع اور اختلاف:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد نزول قرآن کا سلسلہ بند ہو گیا اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس سے آیات قرآنیہ کی تفسیر وتوضیح آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے معلوم ہوتی تھی اس کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا، لہٰذا اب جدید مسائل وحوادث کا حل یا تو صحابہ کرام کے اجماع سے ہو سکتا تھا یا پھر ان کے قیاس واجتہاد سے۔

عہد صحابہ میں بہت سارے مسائل ایسے ہیں جو صحابہ کرام کے باہم مشورہ اور بحث ومباحثہ کے ذریعہ طے ہوئے اور ان پر ان کا اجماع منعقد ہو گیا اور بہت سارے مسائل ایسے ہیں جن میں صحابہ کرام کے درمیان اختلاف رہا اور اجماع منعقد نہ ہو سکا، کتب احادیث میں اس طرح کے اختلافات کی روایتیں بکثرت موجود ہیں۔

مس ذکر، آگ سے پکی ہوئی چیز کے استعمال کرنے اور نکسیر یا کسی زخم سے خون بہہ جانے وغیرہ سے متعلق وضو ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے میں صحابۂ کرام کا اختلاف، نیز رفع یدین، جمعہ کے دن غسل کے وجوب وعدم وجوب اور عمامہ واوڑھنی پر مسح کرنے کے بارے میں اختلاف اور اسی طرح دوسرے مسائل میں ان کے درمیان اختلاف کی نظیریں کتب احادیث میں تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اختلافی مسائل کو اجماعی کرنے پر کافی زور دیا تا کہ صحابہ کرام ایک رائے پر جمع ہو جائیں، چنانچہ بہت سے مسائل میں اجماع بھی ہوا، جیسے شراب نوشی کی سزا کا مسئلہ، مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ، تراویح کی نماز بیس رکعات اور اسی طرح کے دیگر مسائل پر صحابہ کرام کا اتفاق ہوا۔

چونکہ عہد صحابہ وتابعین میں اجتہاد کا عام رواج تھا، صحابہ کرام نے بے شمار مسائل شرعیہ کو اپنے اجتہاد اور بالغ نظری سے حل فرمایا اور اس کی سند آقائے دو عالم ﷺ کے قول وعمل کے ذریعہ سے مل چکی تھی، لہٰذا جب یہ اجتہاد کرتے تھے تو اختلاف فکر ونظر کے پیش نظر ایک ہی مسئلہ میں مختلف آرا سامنے آتے تھے، ذیل میں ہم ان کے درمیان اختلاف کے کچھ اہم اسباب کا ذکر کرتے ہیں۔

مسائل میں اختلاف صحابہ کے خاص اسباب:

عہد صحابہ وتابعین میں مسائل میں اختلاف آرا کے اسباب کے تعلق سے تین امور بہت اہم معلوم ہوتے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) قرآن وحدیث کی معانی سمجھنے میں اختلاف۔

(۲) جواب مسئلہ میں صحابہ کے منصوص علم میں اختلاف۔

(۳) طریقہ استنباط اور تخریج مسائل میں اختلاف مسلک۔

الغرض انہیں اختلافات کے ساتھ عہد خلافت راشدہ اور اس کے بعد اہل افتا صحابہ اور ان کے تلامذہ (تابعین) مختلف فوجی چھاونیوں میں رہے، ابتدا میں اختلاف خفیف تھا ،رفتہ رفتہ اختلاف کی حیثیت قوی سے قوی تر ہوتی گئی اور تدوین فقہ کی سخت ضرورت محسوس کی جانے لگی۔

حضرات شیخین سیدنا ابو بکر صدیق وسیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد خلافت میں تمام مسلمان متحد تھے، اختلاف نہایت جزوی تھا جس کی بنیاد قوی نہیں تھی، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت کے اخیر میں سیاسی فتنوں کا آغاز ہوا، سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ان فتنوں نے زبردست خونریزی کی شکل اختیار کر لی، خارجیوں نے سر اٹھایا، نتیجہ یہ ہوا کہ عہد خلافت راشدہ کے بعد ہی مسلمانوں میں سیاسی، مذہبی فرقہ بندی شروع ہوگئی، اور عام مسلمانوں میں سے خارجی اور شیعہ دو مستقل علیحدہ جماعتیں بن گئیں، جن کا مذہبی نظریہ بالکل مختلف تھا، اول الذکر کا تو اب مستقل وموثر وجود نہیں، مؤخر الذکر تقریباً اب تک ہر جگہ موجود ہیں، خارجی صرف قرآن اور حضرات شیخین کے زمانہ کی حدیثوں کو واجب العمل مانتے تھے اگرچہ اوائل میں شیعہ اس اصل پر کچھ زیادہ

متشدد نہیں تھے مگر بعد میں تشدد بڑھ گیا اور اس نظریہ نے مستقل مذہب کی شکل اختیار کر لی۔

بنی امیہ کے دور میں علمائے اسلام میں بھی دو جماعتیں ہوگئیں، ایک اہل حدیث کی جماعت تھی جو صرف ظاہری حدیث پر عمل ضروری جانتی تھی، رائے اور قیاس سے مسائل پر غور وخوض ان کے نزدیک مذموم تھا، دوسری جماعت اہل الرائے کی تھی، جو قرآن وحدیث کے ساتھ درایت پر عمل ضروری جانتی تھی، پہلی جماعت ایسے مسائل میں جو خارج میں واقع نہیں ہوئے غور وخوض کرنا مذموم جانتی تھی جبکہ دوسری جماعت علل و اسباب کے تحت تفریع مسائل کی طرف متوجہ تھی۔ اہل حجاز اکثر اہل حدیث تھے، اور اہل عراق اکثر اہل رائے تھے، حجازیوں میں امام مالک کے استاد ربیعۃ الرائے نے زیادہ شہرت حاصل کی، اور عراقیوں میں ابراہیم نخعی اور ان کے تلمیذ حماد ابن ابی سلیمان زیادہ مشہور ہوئے۔

پہلی صدی کے آخر میں روایت احادیث کی کثرت اور واضعین کے فتنہ نے بھی مسائل میں اختلاف پیدا کر دیا، اس فتنہ میں احادیث کے ضائع ہوجانے کا خدشہ تھا، کہ عین وقت پر حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی خلیفہ نے تدوین حدیث کا فرمان جاری کر کے حدیث کے تحفظ کا سامان کر دیا، دوسری صدی کے شروع میں اہل حدیث اور اہل رائے کے فروعی اختلافات نے فقہ میں بھی نزاع پیدا کر دی کہ حدیث فقہ اسلام کی اصل اور قرآن کریم کی متمم ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اعتماد کا کیا طریقہ ہے؟ کثرت احادیث کی وجہ سے احادیث مختلف فیہ میں ترجیح کی نوعیت میں اختلاف، قیاس، رائے اور استحسان سے استخراج مسائل کے جواز میں اختلاف، اجماع کے اصل ہونے میں اختلاف، امر ونہی کے صیغوں میں سے احکام کی کیفیت اور ہیئت میں اختلاف، الغرض دوسری صدی کا ربع اول وہ زمانہ تھا کہ مسائل اور ان کے اصول دونوں میں اہل علم مختلف تھے، امرا اور حکام اس اختلاف سے فائدہ اٹھا کر قاضیوں سے اپنی مرضی کے مطابق جبراً غلط فیصلے کرا لیتے تھے۔

انسان کی معاشرت کی وسعت نے انسان کو اتنی اشیا کا محتاج بنا دیا تھا کہ ایک انسان اگر لاکھ کوشش کرتا کہ وہ دوسرے سے مستغنی ہو جائے تو محال تھا، مسلمان چونکہ عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی شریعت کا پابند ہے اس لیے اس سے عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی قدم قدم اور لحظہ لحظہ احکام شریعت کی ضرورت تھی، صرف اگر عبادات کو دیکھا

جائے تو اس کے فروعات وجزئیات اتنے کثیر ہیں کہ اب ہر انسان کو اس کا مکلف کرنا کہ وہ پورا قرآن مجید ان کے معانی ومطالب کے ساتھ حفظ رکھے اور تمام احادیث کو مع سند مالہ وما علیہ یاد رکھے بہت مشکل ہے،اس لیے بغرض تحفظ اسلام سخت ضرورت تھی کہ فقہ کی باضابطہ تدوین کی جائے ، پیدا شدہ مسائل کے ساتھ پیدا ہونے والے امکانی مسائل کی تنقیح وتحقیق کی جائے۔

اللہ رب العزت کی رحمت نازل ہوئی امام الائمہ، سراج الامہ حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر کہ سب سے پہلے انہوں نے ہی اس ضرورت کومحسوس کیا، اوراپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت قرآن واحادیث اوراقوال صحابہ سے مسائل کے استخراج واستنباط کا آغاز کیا اور بنوامیہ کے خاتمہ کے بعد ہی اپنے تلامذہ کی ایک معتبر جماعت کے ساتھ تدوین فقہ کے کام میں مشغول ہوگیے ، اس طرح انہوں نے فقہ اسلامی کے باب میں عظیم الشان اورگراں قدر دینی خدمات انجام دیں، امام المحدثین عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں

لقد زان البلاد ومن علیها   امام المسلمین ابو حنیفه

باحـــکام وآثار وفقـــه   کآیات الزبور علی الصحیفه

فما فی المشرقین له نظیر   ولا بالمغربین ولا بالکوفة

[فتاویٰ شامی، ج:۱،ص:۱۵۷]

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مشہور شاگرد اور ناصر مذہب امام مزنی فرماتے ہیں:

ابوحنیفة اول من دون الفقه وافرده بالتالیف من بین الاحادیث النبویة وبوبه فبدأ بالطهارة ثم بالصلوٰة ثم بسائر العبادات ثم المعاملات الیٰ ان ختم الکتاب بالمواریث وقفاه فی ذٰلك مالك بن انس وقفاه ابن جریج وهشام ۔(تاریخ فقہ،ص:۱۶)

ترجمہ:

امام ابوحنیفہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم فقہ کی تدوین کی، احادیث نبویہ کے

درمیان فقہ کی مستقل کتاب لکھی، اس کی تبویب کی، اس کی ابتدا طہارت سے کی، پھر نماز، پھر دوسری عبادات، پھر معاملات کے مسائل لکھے، یہاں تک کہ فرائض پر کتاب ختم کی، ان کے بعد اس بارے میں امام مالک نے کام کیا اور ان کے بعد ابن جریج اور ہشام کے کام ہیں۔

''المکی'' میں ہے:

وابوحنیفة اول من دون علم هٰذه الشریعة لم یسبقه احد ممن قبله لان الصحابة والتابعین رضی الله عنهم لم یصنعوا فی علم الشریعة ابواباً مبوبة ولا کتباً مرتبة وانما کانوا یعتمدون علیٰ قوة فهمهم وجعلوا قلوبهم صنادیق علمهم فنشا ابو حنیفة بعدهم فرای العلم منتشرا فخاف علیه خوف السوء ان یضیعوا ۔(المکی، ج:۲،ص:۱۳۶)

ترجمہ:

امام اعظم ابوحنیفہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس شریعت کے علم کو مدون کیا، ان سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا تھا کیونکہ صحابہ و تابعین نے علم شریعت میں ابواب فقہ کی ترتیب پر کوئی تصنیف نہیں کی، ان کو اپنی یاد پر اطمینان تھا، لیکن امام اعظم صحابہ و تابعین کے بلاد اسلامیہ میں منتشر ہونے کی وجہ سے علم شریعت کو منتشر پایا، اور متاخرین کے سوئے حفظ کا خیال کر کے تدوین شریعت کی ضرورت محسوس کی۔

امام اعظم اور تدوین فقہ:

امام اعظم سے قبل اگر چہ فقہ اسلامی مختلف ادوار سے گزرتی ہوئی نہایت وسعت اختیار کر چکی تھی مگر پھر بھی اس کو وہ حیثیت حاصل نہیں تھی جو ایک فن کو ہوتی ہے جس میں اصول وقوانین کی روشنی میں جزئیات کا استنباط واستخراج اور ان کی ترتیب عمل میں لائی جاتی ہے۔

امام اعظم کے زمانہ تک عام طور پر فقہی مسائل زبانی تھے، حضرت ابراہیم نخعی کے تلامذہ نے اپنے استاذ اور استاذ الاستاذ کے فتاویٰ کو زبانی یاد کر رکھا تھا، امام نخعی کے تلامذہ میں جن کو کثرت سے مسائل محفوظ تھے وہ حضرت حماد بن ابی سلیمان ہیں، جو امام اعظم کے خاص استاد شمار ہوتے ہیں، جب ان کا وصال ۱۲۰ھ میں ہوا تو اپنے استاذ کی مسند افتا کو آپ نے ہی سنبھالا اور جانشینی کا پورا پورا حق ادا کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ عالم اسلام کا تمدن نہایت وسیع ہو چکا تھا، عبادات و معاملات کے مسائل کی اتنی کثرت ہو چکی تھی کہ ان کو منضبط کرنا از بس ضروری تھا، پھر یہ کہ تمام حوادث کا نظر غائر سے جائزہ لینا، عالم اسلام میں شامل اقوام عالم کے احوال و کوائف، رسوم و رواج اور عرف و تعامل کو ملحوظ خاطر رکھنا اور پھر مصادر شریعت میں ان کے احکام کی تلاش و جستجو اور نہایت بالغ نظری کے ساتھ کسی نتیجہ پر پہنچنا، یہ کسی فرد واحد کا کام نہیں تھا بلکہ اس کے لیے ایک جماعت کی ضرورت تھی اور اس کی ہدایت خود شارع اسلام حضور سید عالم ﷺ کے فرمان میں موجود تھی چنانچہ ایک مرتبہ حضرت علی مرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا:

یا رسول اللہ! (ﷺ) ان نزل بنا أمر ليس فيها بيان أمر و نهى، فما تأمرنا. قال: تشاورون الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه رأى خاصة۔ (معجم اوسط: ج:۱،ص: ۱۶۴)

یا رسول اللہ! اگر ہمیں کوئی ایسا مسئلہ پیش آ جائے جس کے سلسلہ میں قرآن و حدیث میں کوئی اجازت وممانعت نہ ہو تو ایسے ماحول میں ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے فقہا اور عابدوں کی مجلس شوری قائم کر کے فیصلہ کرنا، کسی فرد واحد کی رائے پر نہ اڑے رہنا۔

چنانچہ امام اعظم نے جو طریقہ اختیار فرمایا وہ پورے طور پر اس حدیث کے مطابق تھا، آپ نے اجتہاد و استنباط کے لیے محض گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر غور و فکر سے کام نہیں لیا بلکہ فقہا، ائمہ، عرفا، محدثین اور مختلف علوم و فنون کے ماہرین کی ایک مجلس شوری قائم کی جن کی تعداد کم و بیش چالیس تھی۔ کبھی ان میں اضافہ ہو جاتا تھا اور کبھی ان میں کچھ کم بھی ہوتے تھے۔

تدوین فقہ کے ارکان:

وہ چالیس مجتہدین فقہا و محدثین کی مقدس ہستیاں جو اکثر و بیشتر تدوین فقہ کی مجلس میں شریک ہوا کرتے تھے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) امام زفر (۲) امام مالک بن مغول البجلی الحنفی (۳) امام داؤد طائی حنفی (۴) امام

مندل بن علی کوفی (۵) امام نصر بن عبد الکریم (۶) امام عمرو میمون بلخی (۷) امام حبان بن علی (۸) امام ابو علقمہ نوح بن ابی مریم (۹) امام زہیر بن معاویہ (۱۰) امام قاسم بن معن (۱۱) امام حماد بن الامام الاعظم (۱۲) امام صباح بن بطام (۱۳) امام شریک بن عبد اللہ (۱۴) امام عافیہ بن یزید (۱۵) امام عبد اللہ بن مبارک (۱۶) امام ابو یوسف انصاری (۱۷) امام ابو محمد نوح بن دراج (۱۸) امام ہیشم بن بشیر اسلمی (۱۹) امام ابو سعید یحیٰ بن زکریا (۲۰) فضیل بن عیاض (۲۱) امام اسد بن عمرو بن عامر بن البجلی (۲۲) امام محمد بن حسن شیبانی (۲۳) امام علی بن مسہر قریشی کوفی (۲۴) امام یوسف بن خالد (۲۵) امام عبد اللہ بن ادریس (۲۶) امام فضل بن موسیٰ النسائی (۲۷) امام علی بن طبیان (۲۸) امام حفص بن غیاث (۲۹) امام وکیع بن الجراح (۳۰) امام ہشام بن یوسف (۳۱) امام نقد رجال یحیٰ بن سعید (۳۲) امام شعیب بن اسحاق (۳۳) امام ابو عمرو حفص بن عبد الرحمٰن (۳۴) امام ابو سطیح حکم بن عبد اللہ (۳۵) امام خالد بن سلیمان (۳۶) امام عبد الحمید بن عبد الرحمٰن (۳۷) امام حسن بن زیاد لؤلؤی (۳۸) امام ابو عاصم النبیل ضحاک (۳۹) امام مکی بن ابراہیم (۴۰) امام حماد بن دلیل القاضی۔ (جواہر المضیہ، ج:۲، ص:۱۳۶)

طریقہ تدوین:

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی مسئلہ سے متعلق مجلس تدوین فقہ میں قرآن کریم کی کوئی آیت کریمہ اور حدیث رسول مقبول ﷺ پیش ہوتی، امام اعظم اس میں متعدد احتمالات بیان کرتے اور ان احتمالات کی تائید میں نصوص وعبارات پیش کرنے کے لیے اپنے تلامذہ میں تقسیم فرمادیتے اور ایک احتمال پر خود دلائل قائم فرماتے، تمام اصحاب ان احتمالات کی تنقیح وتوضیح میں کوشش فرماتے، جب کسی ایک احتمال پر تدوین فقہ کے تمام ارکان کا اتفاق ہوجاتا تو اس کو لکھ لیا جاتا اور اتفاق نہ ہونے کی صورت میں اگر اس میں کسی کا اختلاف ہوتا تو کسی ایک احتمال پر اس کا اختلاف بھی انہیں کی طرف منسوب کر کے لکھا جاتا، اسی لئے کتب فقہ میں متعدد اقوال منقول ہیں، لیکن درحقیقت یہ سب امام اعظم ہی کی جانب سے ہیں۔

اس طرح یہ سلسلہ تقریباً ۳۰ سال تک جاری رہا اور ہر طرح کے مسائل کی تدوین عمل میں آئی، تاریخ اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ ہر ہر مسئلہ پر سیر حاصل گفتگو کے بعد جلیل

القدر ائمہ وفقہانے اپنی تحقیق سے امت مسلمہ کوشاد کام کیا۔

تدوین فقہ کی منظر کشی:

فقہ کے عروج وارتقا اوراس کی نشوونما کے بارے میں فقہانے استعارہ کے طور پر اس طرح کا نقشہ کھینچا ہے اوراس کی منظر کشی کی ہے، مقدمہ شامی میں ہے: وقد قالوا: الفقہ زرعہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وسقاہ علقمۃ، وحصدہ ابراہیم النخعی، وداسہ حماد، وطحنہ ابو حنیفۃ وعجنہ ابو یوسف وخبزہ محمد، فسائر الناس یأکلون من خبزہ۔[درمختار، ج:۱،ص:۱۴۱]

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود نے علم فقہ کی کھیتی بوئی، حضرت علقمہ بن قیس نخعی نے اس کوسیراب کیا، حضرت ابراہیم نخعی نے اس کھیتی کو کاٹا، حضرت حماد بن ابی سلیمان نے اس کو گہایا (بالیوں سے دانے نکالے)، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے ان کا آٹا پیسا، حضرت امام ابی یوسف نے اس کا آٹا گوندھا، حضرت امام محمد نے اس کی روٹیاں پکائیں، اب تمام لوگ ان کی پکائی ہوئی روٹیاں کھارہے ہیں۔

تشریح:

اس استعارہ کی تشریح اس طرح ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم فقہ کے فروع اور مسائل کے استنباط کا سلسلہ شروع کیا، حضرت علقمہ بن قیس نے ان فروع کی تائید وتوضیح فرمائی، حضرت ابراہیم نخعی نے ان کے متفرق فوائد کو جمع کیا اور نفع بخش بنایا، حضرت حماد بن ابی سلیمان نے ان کی تنقیح اور وضاحت کی، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے اس کے بہت سے اصول وضع کیے اور ان سے مسائل کا استخراج فرمایا، (اس لئے کہ آپ ہی سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہ کوابواب وکتب پر مدون فرمایا جیسا کہ آج کتابوں میں موجود ہے، چنانچہ امام مالک نے اپنی کتاب ''موطا'' میں آپ ہی کا اتباع کیا اس سے پہلے یہ علم صرف حفظ مسائل تک محدود رہا،) امام ابی یوسف نے حضرت امام اعظم کے قواعد واصول میں دقت نظر سے کام لیا اور مزید فروع کے استنباط میں کوشش کی، حضرت امام محمد نے مسائل کے استنباط، ان کی تنقیح، تہذیب، اضافہ اور ان سب کو ضبط تحریر میں لاکر پیش کر دیا اب مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں رہی، اب جو کچھ ہے امام محمد کی تفریعات سے ہی اخذ کیا جاتا ہے۔اسی

مفہوم کو کسی شاعر نے اپنے اشعار میں یوں بیان کیا ہے۔

الفقہ زَرعُ ابن مسعود وعلقمةُ　　حصّادُہ ثم ابراھیم دوّاسُ

نعمانُ طاحنُہ یعقوب عاجنہ　　محمد خابزٌ والآکل النّاسُ

[مقدمہ درمختار، ج:۱،ص:۱۴۲]

امام محمد نے مذہب حنفی کو جب تحریر کر دیا تو پھر اس کی تشریحات وتوضیحات کے لیے فقہائے احناف کمر بستہ ہوئے اور بے شمار کتابیں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں، فقہی اصول کو مبوب و مفصل انداز میں پیش کیا گیا، اختلافی مسائل کی وضاحت کی گئی اور فروع کے اسباب وعلل بیان کیے گیے۔

فقہ حنفی کے اصول:

شریعت اسلامیہ کے جملہ احکام ومسائل کا سر چشمہ، منبع اور ماخذ دو قسم کے امور ہیں، ایک وہ جو تمام ائمہ اور جمہور علما کے نزدیک متفق علیہا ہیں اور وہ چار ہیں۔(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ ﷺ (۳) اجماع امت (۴) قیاس

ان چاروں پر تمام ائمہ کرام اور علمائے فقہ کا اجماع ہے کہ یہ شریعت مطہرہ کے جملہ احکام ومسائل کی بنیادیں ہیں۔دوسری قسم وہ ہے جو ان کے علاوہ ہیں اگر چہ یہ امور بھی نور قرآنی اور احادیث نبوی سے منور ہیں اور انہیں کے فیضان سے مستفیض ہیں لیکن وہ اصول ایسے ہیں جن کو احکام شریعت ومسائل فقہیہ کی بنیاد تسلیم کرنے اور حجت شرعیہ وقابل استدلال ماننے میں علمائے فقہ باہم اختلاف رائے رکھتے ہیں، نیز ان کے مفہوم کی تحدید وتعریف اور ان کے دائرۂ عمل کی توسیع میں بھی اختلاف ہے ایسے اصول کو فقہ کی اصطلاح میں ''استدلال'' سے موسوم کیا جاتا ہے، ان کی تعداد پانچ ہیں۔

(۱) استحسان (۲) مصالح مرسلہ (۳) استصحاب (۴) سابقہ شرائع (۵) صحابی کا مسلک۔

فقہ حنفی میں دونوں مصادر شریعت قرآن وحدیث کو نہایت اہمیت دی گئی ہے اور ہر مقام پر ان کی اساسی حیثیت کو مضبوط و مستحکم مانا گیا ہے، تفصیل میں نہ جا کر تاریخ بغداد کے حوالے سے امام اعظم کا یہ قول ملاحظہ کریں، تاریخ بغداد میں امام اعظم سے منقول ہے:

اُخذ بکتاب اللہ، فان لم أجد، فبسنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فان لم اجد فی کتاب اللہ ولا فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اخذت بقول الصحابۃ، اُخذ بقول من شئت منھم، وادع من شئت منھم، ولا اخرج من قولھم الیٰ قول غیرھم، فاما اذا انتھی الامر، اوجاء الیٰ ابراھیم والشعبی وابن سیرین، والحسن، وعطاء، وسعید بن المسیب، وعدد رجالا، فقوم اجتھدوا فاجتھد۔ (تاریخ بغداد)

ترجمہ:

میں کتاب اللہ سے سند لیتا ہوں، اگر اس میں کوئی مسئلہ نہ مل سکے تو حدیث رسول اللہ ﷺ سے اور اگر کتاب وسنت دونوں میں نہ ملے تو اقوال صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اخذ کرتا ہوں، اور ان کے اقوال سے کسی دوسرے کے قول کی طرف تجاوز نہیں کرتا لیکن جب معاملہ ابراہیم نخعی، شعبی، ابن سیرین، حسن، عطاء، اور سعد بن مسیب تک پہنچتا ہے، آپ نے متعدد اصحاب کے نام گنائے تو وہ اجتہاد کرنے والے لوگ تھے، ہمیں بھی ان کی طرح اجتہاد کرنے کا حق حاصل ہے۔

طبقات فقہائے احناف:

فقہ حنفی کی ایجاد کا ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے، اس عرصے میں لاکھوں فقہا اور ارباب فتاویٰ پیدا ہوئے، ان کی قلمی یادگاریں، تلامذہ اور تصانیف کی صورت میں منظر عام پر آتی رہیں، جن کا احاطہ بہت مشکل ہے تفصیل میں نہ جا کر فقہائے احناف کے طبقات فقہ حنفی کی معتبر ومستند کتابیں، اور چند ممتاز ترین کتب فتویٰ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ارباب فقہ نے فقہائے کرام کو سات طبقوں میں تقسیم کیا ہے اور وہ یہ ہیں:
(۱) مجتہد فی الشرع (مجتہد مطلق مستقل) (۲) مجتہد فی المذہب (مجتہد مطلق غیر مستقل) (۳) مجتہد فی المسائل (مجتہد مقید) (۴) اصحاب تخریج (۵) اصحاب ترجیح (۶) اصحاب تمیز (۷) مقلد محض۔

مجتہد فی الشرع:

یہ فقہائے اسلام کا وہ طبقہ ہے جنہیں اصولی قواعد کی تاسیس کتاب وسنت، اجماع

اور قیاس سے فرعی احکام کے استنباط کی ذاتی سطح پر استعداد حاصل ہو، اور وہ اصول وفروع میں کسی کی تقلید کے محتاج نہ ہوں۔ جیسے سراج الامہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

مجتہد فی المذہب:

یہ ایسے فقہا ہوتے ہیں جن میں مجتہد مطلق کی ساری صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں لیکن وہ خود کو اصول میں کسی مجتہد مطلق کا تابع رکھتے ہیں اور ان کے بنائے ہوئے اصول کی روشنی میں کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے مسائل کے استخراج کی صلاحیت رکھتے ہیں، یعنی اصول میں مقلد ہوتے ہیں اور فروع میں مجتہد۔ جیسے حضرت امام ابویوسف، حضرت امام محمد، حضرت امام عبداللہ بن مبارک، ودیگر تلامذۂ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مجتہد فی المسائل:

ایسے فقہا اس زمرے میں آتے ہیں جو اصول وفروع دونوں میں مجتہد مطلق کے تابع ہوتے ہیں اور ان کے وضع کردہ اصول وفروع کی روشنی میں ایسے مسائل کا استنباط کرسکتے ہیں جن کے بارے میں ائمہ مذہب سے کوئی روایت نہیں ملتی۔ جیسے امام ابوبکر خصاف، امام ابوجعفر طحاوی، امام ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ سرخسی، امام فخر الاسلام بزدوی، امام فخر الدین رازی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

اصحاب تخریج:

فقہائے کرام کا یہ طبقہ اجتہاد واستنباط کی مستقل قدرت نہیں رکھتا، البتہ ائمہ مذہب کے وضع کردہ سارے اصول وفروع پر گہری نظر رکھتا ہے، جس کی روشنی میں یہ مجمل احکام کی تشریح، محتمل کی تعیین، مثالوں کے حوالے سے کرسکتے ہیں۔ جیسے امام ابوبکر احمد بن علی رازی وغیرہ

اصحاب ترجیح:

یہ حضرات اصحاب تخریج سے فقاہت میں کم درجہ کے حامل ہوتے ہیں، اور ائمہ مذہب سے منقول روایات میں سے اصول وفروع کی روشنی میں بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے امام ابوالحسن قدوری، امام ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، صاحب

ہدایہ وغیرہ۔

اصحاب تمیز:

فقہا کا یہ گروہ مذہب کے قوی اور ضعیف، مقبول اور مردود اقوال میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، ظاہر الروایہ اور نادر روایات کے درمیان امتیاز کی قدرت ان میں موجود ہوتی ہے۔ جیسے اصحاب متون معتبرہ مثلاً صاحب مختار، صاحب وقایہ، اور صاحب مجمع الانہر وغیرہ۔

مقلد محض:

جن میں مذکورہ بالا طبقات فقہا کی کوئی صلاحیت موجود نہ ہو ایسے فقہائے کرام کو مقلد محض کہتے ہیں، ان حضرات کا ذاتی قول قابل عمل نہیں ہوتا، یہ ائمہ مذہب کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ جیسے دور حاضر کے اصحاب فقہ وافتا۔

کتب احناف کے طبقات:

فقہائے احناف کی طرح کتب احناف کے بھی طبقات ہیں، علما نے ان کے تین طبقے اور درجے بیان کیے ہیں۔

(۱) کتب اصول۔ (۲) کتب نوادر۔ (۳) کتب واقعات۔

کتب اصول:

کتب اصول ہی کو ظاہر الروایہ بھی کہتے ہیں، اس طبقے میں وہ کتابیں اور روایات شامل ہیں جو اصحاب مذہب سے منقول ہیں، ائمہ ثلاثہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ، سیدنا امام ابو یوسف، اور سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مرویات اسی ذیل میں آتی ہیں۔ ان میں امام زفر، امام حسن بن زیاد، وغیرہ امام اعظم کی تلامذہ کی روایات کا بھی شمار ہوتا ہے۔ لیکن عموماً ظاہر الروایہ کا اطلاق حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان چھ تصانیف مبارکہ پر ہوتا ہے۔

(۱) مبسوط۔ (۲) جامع صغیر۔ (۳) جامع کبیر۔ (۴) سیر صغیر۔ (۵) سیر کبیر۔ (۶) زیادات۔

مبسوط:

اس کو ''کتاب الاصل'' بھی کہا جاتا ہے اور آج کل اسی نام سے طبع ہو رہی ہے، یہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طویل ترین کتاب ہے، اس کا جدید ایڈیشن اس وقت بارہ جلدوں میں ہے، اس کتاب میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بہت سے مسائل سے متعلق امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتاوے بھی جمع کیے ہیں۔

الجامع الکبیر:

فقہ کے موضوع پر یہ امام محمد کی دوسری کتاب ہے اس میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسائل فقہیہ کو دلائل عقلیہ سے ثابت کیا ہے، اس کتاب کی عربی بھی بے حد بلیغ ہے اور پچاس سے زیادہ اس کی شروحات اب تک تصنیف ہو چکی ہیں۔

الجامع الصغیر:

فقہ میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ تیسری تصنیف ہے، اس کتاب میں پندرہ سو چھتیس (۱۵۳۶) مسائل ہیں، جن میں سے دو کے سوا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تمام مسائل کی بنیاد احادیث اور آثار پر رکھی ہے، اور باقی دو مسئلوں کو قیاس سے ثابت کیا ہے۔

السیر الصغیر:

علم فقہ میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی چوتھی تصنیف ہے، امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے تلامذہ کو سیر و مغازی کے باب میں جو کچھ املا کرایا تھا، یہ کتاب اسی کا مجموعہ ہے۔

السیر الکبیر:

فقہ کے موضوع پر یہ امام محمد کی پانچویں تصنیف ہے، اس کتاب میں جہاد و قتال اور امن و صلح کے مواقع اور طرق بیان کیے گیے ہیں، غیر مسلم اقوام سے مسلمانوں کے تعلقات، ان کے حقوق و فرائض اور تجارتی اور عام معاملات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اسلام کے بین الاقوامی نقطہ نظر کو سمجھنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

الزیادات:

امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ چھٹی تصنیف ہے، جو سیر صغیر اور سیر کبیر کے تتمہ کے حکم

میں ہے، سیر اور مغازی کے جو مسائل ان دونوں کتابوں میں رہ گیے تھے ان کا اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔

ان کتب ستہ کو ظاہر الروایہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ انہیں تواتر کے ساتھ ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے۔

کتب نوادر (مسائل نوادر):

اس ضمن میں اصحاب مذہب کی وہ روایات آتی ہیں جو مذکورہ بالا چھ کتابوں میں نہ ہوں، جیسے حضرت امام محمد کی کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات، رقیات، زیادۃ الزیادات کے مسائل اور روایات، حضرت امام ابو یوسف کی کتب الامالی اور حضرت امام حسن بن زیاد کی المجرد وغیرہا آتی ہیں۔

کتب واقعات (فتاویٰ):

ان میں وہ مسائل اور فتاویٰ آتے ہیں جنہیں ائمہ ثلاثہ کے بعد والے طبقے نے تصنیف یا روایت کی ہو کہ جن کے دریافت کیے جانے پر متقدمین اہل مذہب کی کوئی روایت نہیں مل سکی لہٰذا انہوں نے ان کو خود استنباط کیا، یہ حضرات فقہا، امام ابی یوسف اور امام محمد کے تلامذہ یا پھر تلامذہ کے تلامذہ ہیں، جیسے عصام بن یوسف، ابن رستم، محمد بن سماع، ابو حفص بخاری اور ان کے بعد آنے والے اصحاب جیسے محمد بن سلمہ، محمد بن مقاتل، نصیر بن یحیٰ، وغیرہم۔

فتویٰ کی سب سے پہلی کتاب:

فتویٰ کی سب سے پہلی اور قدیم ترین کتاب جو فقہائے کرام کے درمیان معروف اور مشہور ہے وہ فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی کتاب ''کتاب النوازل'' ہے، علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاویٰ شامی کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

''واول كتاب جمع فی فتواهم فيما بلغنا'' ''كتاب النوازل'' للفقيه ابو الليث السمر قندی۔ (فتاویٰ شامی، ج:۱، ص۱۶۹)

فتاویٰ میں سب سے پہلی کتاب جو ہم تک پہنچی وہ ''کتاب النوازل'' ہے جس کو فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے تصنیف کیا۔

پھر ''عیون مسائل'' بھی انہیں کی ہے ان کے بعد ''مجمع النوازل''''واقعات ناطفی''، ''واقعات الصدر الشہید'' وغیرہ کتب فتاویٰ لکھی گئیں۔

اس کے بعد متاخرین فقہا نے مسائل کو مخلوط انداز میں ذکر کرنا شروع کر دیا جن میں اصول ونوادر اور فتاویٰ سب طرح کے مسائل ہوتے ہیں اس طرح متقدمین اور متاخرین فقہا میں پھر کوئی ایک اسلوب باقی نہ رہا، اور یہ سلسلہ جاری ہوا کہ مفتی شرع کے سامنے کوئی مسئلہ درپیش ہوا تو اس نے اپنی صواب دید پر اس کا جواب تحریر کر دیا، خواہ وہ جواب اصول کی کتابوں کی روشنی میں ہو یا نوازل اور واقعات کی روشنی میں ہو، اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کا ایک عظیم ذخیرہ فقہی تاریخ میں موجود ہے۔

موجودہ دور میں فقہ حنفی کی مآخذ ومستند کتابیں:

موجودہ دور میں فقہ حنفی کے مآخذ کے طور پر جانی، جانے والی کتابیں یہ ہیں:

اصول بزدوی (امام علی بن محمد بزدوی)، المبسوط (شمس الائمہ سرخسی)، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع شرح تحفۃ الفقہا (ملک العلما امام ابوبکر بن مسعود بن احمد کاسانی)، فتاویٰ قاضی خاں (امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی فرغانی معروف بہ قاضی خاں)، الھدایۃ (امام ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی)، البحر الرئق شرح کنز الدقائق (شیخ زین بن ابراہیم معروف بہ ابن نجیم صاحب الاشباہ والنظائر)، درمختار شرح تنویر الابصار (علامہ محمد علاء الدین بن علی حصفکی)، رد المحتار علی الدر مختار (علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی)، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار (علامہ سید احمد طحطاوی)، طحطاوی علی مراقی الفلاح (علامہ سید احمد طحطاوی)، فتاویٰ عالمگیری (مفتی نظام الدین ودیگر علماء کرام)، العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ (اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی)۔

متون، شروح اور فتاویٰ:

فقہائے کرام نے مقام ومرتبہ کے لحاظ سے کتب احناف کی ایک اور تقسیم کی ہے اور وہ یہ ہے:

(۱) متون۔ (۲) شروح۔ (۳) فتاویٰ۔

چند مستند متون، شروح اور فتاویٰ کے نام یہ ہیں:

مستند متون:

مختصر امام طحاوی، مختصر امام کرخی، مختصر امام قدوری، کنز الدقائق، وافی، وقایہ، نقایہ، اصلاح، مختار، مجمع البحرین، مواہب الرحمٰن، ملتقیٰ وغیرہ

مستند شروح:

مذکورہ بالا کتب مختصرات (مختصر امام طحاوی، مختصر امام کرخی، مختصر امام قدوری) کی شرحیں، کتب اصول ستہ (جامع کبیر، جامع صغیر، سیر صغیر، سیر کبیر، مبسوط، زیادات) کی شرحیں، مبسوط امام سرخسی، بدائع الصنائع، تبیین الحقائق، فتح القدیر، عنایہ، بنایہ، غایۃ البیان، درایہ، کفایہ، نہایہ، حلیہ، غنیۃ، البحر الرائق، النہر الفائق، درر احکام، درمختار، جامع المضمرات، جوہرہ نیرہ، ایضاح، وغیرہ۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ کے نزدیک انہیں میں محققین کے حواشی بھی داخل ہیں، جیسے غنیۂ شرنبلالی، حواشی خیر الدین رملی، ردالمحتار، منحۃ الخالق، فتاویٰ خیریہ، العقود الدریۃ للشامی، الفتاویٰ الرضویۃ، اوران جیسی دوسری کتابیں۔

مستند فتاویٰ:

خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، خزانۃ المفتیین، جواہر الفتاویٰ، محیطات (محیط نام کی متعدد کتابیں)، ذخیرہ، واقعات ناطفی، واقعات صدر الشہید، نوازل فقیہ، مجموع النوازل، ولوالجیہ، ظہیریہ، عمدۃ، کبریٰ، صغریٰ، تتمۃ الفتاویٰ، صیرفیہ، فصول عمادی، فصول استروشنی، جامع صغیر، تاتارخانیہ، عالمگیری (فتاویٰ ہندیہ)، الاشباہ والنظائر، منیہ، وغیرہ۔

متون۔ شروح اور فتاویٰ پر مقدم ہیں:

سب سے مقدم اور اہم متون ہیں، پھر شروح اور پھر فتاویٰ، علمائے کرام ارشاد فرماتے ہیں: عمدہ ترین کتب مذہب متون ہیں پھر شروح پھر فتاویٰ، عندالتخالف متون سب پر مقدم ہیں اور فتاویٰ سب سے موخر۔ [فتاویٰ رضویہ، قدیم، ج: ۴، ص: ۴۷۵]

امام احمد رضا قدس سرہٗ ''فتاویٰ رضویہ'' میں فرماتے ہیں:

متون، شرح پر اور شروح فتاویٰ پر مقدم ہیں۔ [ج: ۴، ص: ۲۰۸]

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

''وعندی مثل المتون والشروح والفتاوی فی الفقه مثل الصحاح والسنن والمسانید فی الحدیث'' میرے نزدیک فقہ میں متون، شروح اور فتاویٰ کا حال وہی ہے جو حدیث میں صحاح، سنن اور مسانید کا حال ہے۔ [فتاویٰ رضویہ، قدیم، ج:۴، ص:۲۰۸]

پہلی صدی ہجری کے بعد فقہائے کرام کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا اس مختصر مقالہ میں سمانا مشکل ہے ان علما و فقہا نے فقہ کی کتابوں کی تدوین کی اور بعض نے کتب فتاویٰ مرتب کیں، اس لیے اولین کتب فتاویٰ عہد صحابہ کی یادگار ہیں، تابعین کے زمانہ میں سب سے زیادہ اس علم کی خدمت قاضیان اسلام نے کی، ان کے پاس ہزاروں کی تعداد میں مقدمے پیش ہوتے تھے اور وہ ہر روز قانون شرع کے مطابق فیصلے صادر فرمایا کرتے تھے، ان تاریخی حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ کتب فتاویٰ کی تاریخ عہد صحابہ و تابعین سے شروع ہوتی ہے، مولف ''کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون'' اور ''ہدیۃ العارفین عن آثار المولفین و المصنفین'' اور دیگر کتب تاریخ میں عہد صحابہ و تابعین کے کتب فتاویٰ کا تفصیلی ذکر موجود ہے، ہم یہاں ''کشف الظنون عن احوال الفنون'' کے حوالے سے صدی کی ترتیب کے لحاظ سے بعض مشاہیر کتب فتاویٰ کا ذکر کرتے ہیں جن کا تعلق تیسری صدی ہجری سے تیرہویں صدی ہجری تک ہے۔

مشاہیر کتب فتاویٰ:

فتاویٰ ابی بکر، فتاویٰ ابی القاسم (تیسری صدی ہجری)، فتاوٰی ابن قطان، فتاویٰ ابو اللیث، فتاویٰ ابن الحداد، فتاویٰ الرستغفی (چوتھی صدی ہجری) فتاویٰ ابن الصباغ، فتاویٰ اسبیجابی، فتاویٰ خواہرزادہ، فتاوٰی خجندی (پانچوی صدی ہجری)، فتاویٰ تمرتاشی، فتاویٰ حسام الدین، فتاویٰ سراجیہ، فتاویٰ ظہیریہ، فتاویٰ قاضی خان، فتاویٰ کبریٰ، فتاویٰ صغریٰ، خلاصۃ الفتاویٰ، فتاویٰ شہاب الدین، فتاویٰ واسطیہ، فتاویٰ بخاریہ، فتاویٰ الدیناری (چھٹی صدی ہجری)، فتاویٰ ابن رزین، فتاویٰ صوفیہ، فتاویٰ ولوالجیہ، فتاویٰ العربیہ، فتاویٰ الوبری، فتاویٰ ابن مالک، فتاویٰ موہوب، فتاویٰ ابن ابی الام، فتاویٰ ابن الصلاح، فتاویٰ ابن عبد السلام (ساتویں صدی ہجری)، فتاویٰ ابن عقیل، فتاویٰ زرکشی، فتاویٰ سبکی، فتاویٰ جلال الدین،

فتاویٰ حنفیہ، فتاویٰ نوی، فتاویٰ طرطوسیہ، فتاویٰ تاتارخانیہ، خیرۃ الفتاویٰ (آٹھویں صدی ہجری)، فتاویٰ قاری الہدایۃ،فتاویٰ حمادیہ،فتاویٰ ابن شلبی، فتاویٰ ابی سعود، فتاویٰ زینیہ،فتاویٰ حنبلی زادہ، فتاویٰ قاسمیہ، فتاویٰ الکردری، فتاویٰ بزازیہ،فتاویٰ ابن ابی شریف (نویں صدی ہجری)،فتاویٰ سندی، فتاویٰ شعرانی، فتاویٰ عدلیہ، فتاویٰ ادیہ، فتاویٰ ابن کمال پاشا، جواہر الفتاویٰ (دسویں صدی ہجری)، فتاویٰ خیریہ، فتاویٰ رضاعی، فتاویٰ شیخ السلام، فتاویٰ الانقروی (گیارہوں صدی ہجری) الفتاویٰ الہندیہ (بارہویں صدی ہجری)، فتاویٰ شامی، العقود الدریہ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ (تیرہویں صدی ہجری)۔

مشاہیر کتب فتاویٰ بزبان اردو:

جب سلاطین اسلام نے ہندوستان میں اپنا قدم جمایا اور ہند کی سرزمین پر اسلام کا پرچم لہرایا، جگہ جگہ اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں تو سلاطین اسلام قانون شریعت کے مطابق مقدمات کا فیصلہ صادر فرمایا کرتے تھے، یہ حضرات بذات خود اسلامی دانشور ہوا کرتے تھے اور فقہی معاملات سے گہری دلچسپی رکھتے تھے، ان کو نہ یہ کہ صرف فقہ اسلامی سے دلچسپی تھی بلکہ انہوں نے اس فن میں بے شمار کتابیں بھی تصنیف وتالیف کیں، بعض حضرات نے اپنے دور اقتدار میں قیمتی فتاوے کے مجموعے خود تیار کیے اور بعض نے دوسروں سے تالیف کروائیں، اس سلسلہ میں سلطان محمود غزنوی، ظہیر الدین محمد بابر، سلطان عالمگیر اورنگ زیب کے اسمائے گرامی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، سلطان محمود غزنوی تو فقہ اسلامی کے زبردست عالم تھے اور فقہ کے عنوان پر ''التفرید فی الفروع'' کے نام سے ایک شاندار کتاب تصنیف کی، جو بلاد غزنہ میں بہت مشہور ہوئی، سلطان عالمگیر نے اس دور کے ماہرین فقہ وافتا کے توسط سے فتاویٰ ہندیہ جو فتاویٰ عالمگیری کے نام سے متعارف ہے اور انہیں کی جانب منسوب ہے اس کا مجموعہ تیار کروایا، جس کی تدوین پر اس زمانہ میں تقریباً دولاکھ روپے صرف ہوئے، آج بھی یہ کتاب عالمگیر شہرت کا حامل ہے، فتاویٰ عالمگیری کے علاوہ فتاویٰ فیروز شاہی، فتاویٰ ابراہیم شاہی، فتاویٰ اکبرشاہی، فتاویٰ عادل شاہی، فتاویٰ تاتارخانی، جیسے مجموعہ ہائے فتاویٰ بھی سلاطین اسلام کے دور زریں کی قیمتی یادگار ہیں۔

سلاطین ہند کے دور میں فتاویٰ کی کتابیں عربی اور فارسی زبان میں تالیف کی گئی

تھیں، بارہویں صدی کے اخیر میں جب ہندوستان کی سرزمین پر انگریزوں نے اپنا تسلط کا آغاز کیا اور افغانی سلاطین ہند کا زوال ہونا شروع ہوا تو اردو زبان و ادب کو فروغ ہونے لگا، سلطنت اسلامیہ کے زوال ہونے پر عوام نے شریعت اسلامیہ میں رہنمائی کے لیے انفرادی طور پر مسائل شرعیہ میں مفتیان شرع سے رجوع کرنے لگے اور اسی طرح اردو فتاویٰ کے قیمتی مجموعے بھی وجود میں آنے لگے، اور اب ہمارے سامنے کثیر تعداد میں اردو زبان میں کتب فتاویٰ کا قیمتی ذخیرہ اور علمی سرمایہ موجود ہے، ذیل میں چند مشاہیر اردو کتب فتاویٰ کی ایک اجمالی فہرست ہدیۂ ناظرین ہے۔

العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ (امام احمد رضا قادری برکاتی)، فتاویٰ حامدیہ (مفتی ابوالفتح ناگوری)، فتاویٰ عزیزیہ (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی)، فتاویٰ ارشادیہ (علامہ ارشاد حسین رامپوری)، فتاویٰ محبوبیہ (مولانا احمد حسین خان)، فتاویٰ امجدیہ (علامہ مفتی امجد علی قادری گھوسوی)، مجموعۃ الفتاویٰ (مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی لکھنؤ)، فتاویٰ قیام الملۃ والدین (مولانا عبد الباری فرنگی محلی)، فتاویٰ نعیمیہ (مفتی احمد یار خاں اشرفی نعیمی)، فتاوی سرکار کلاں (حضرت سرکار کلاں علامہ سید مختار اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھوی)، فتاویٰ نظامیہ (مفتی رکن الدین)، فتاویٰ صلاۃ العالیہ (مطبوعہ حیدر آباد)، فتاویٰ واحدی (علامہ عبد الواحد سیوسطانی)، فتاویٰ مسعودی (علامہ محمد مسعود شاہ نقشبندی)، مجموعہ فتاویٰ (مہر علی شاہ گولڑوی)، فتاویٰ اجملیہ (اجمل العلما مفتی محمد اجمل قادری سنبھلی)، فتاویٰ حامدیہ (حجۃ الاسلام مفتی محمد حامد رضا خان بریلوی) فتاویٰ ملک العلما (ملک العلما مولانا شاہ ظفر الدین قادری)، فتاویٰ مظہری (مفتی مظہر اللہ قادری)، فتاویٰ شارح بخاری (شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی)، فتاویٰ مفتیٔ اعظم ہند (مفتی اعظم ہند علامہ مصطفی رضا خان بریلوی)، حبیب الفتاویٰ (مفتی حبیب اللہ بھاگل پوری)، فتاویٰ بحر العلوم (بحر العلوم علامہ مفتی عبد المنان اعظمی)، فتاویٰ فیض الرسول (فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی بستوی)، فتاویٰ تاج الشریعہ (تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خان ازہری) اور موجودہ زمانہ کی دیگر دستیاب کتب فتاویٰ۔

فتاوی کی ادبی، لسانی اور تاریخی حیثیت:

اگر فتاوی کے تمام سرمایہ کا بنظر عمیق مطالعہ کیا جائے تو مختلف حیثیتوں سے اسکی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے چنانچہ ادبی ولسانی اور تاریخی حیثیت سے فتاوے خاص اہمیت رکھتے ہیں، آسان و سلیس اردو زبان میں اہم قانونی مسائل و دفعات کی تشریحات ایک طرف خود زبان اردو کی وسعت اور دوسری طرف زبان پر مجیب و مفتی کی کمال قدرت کا آیئنہ دار ہے، فتاوے کو فنی لحاظ سے بھی اردو میں اہم مقام حاصل ہے، مقالہ نگاری خصوصاً تحقیقی مقالات دور جدید کی ایجادات میں شمار کی جاتی ہیں لیکن اگر اس نقطہ نظر سے فتوؤں کا جائزہ لیا جائے تو بعض فتوے بلند پایہ علمی و تحقیقی مقالات معلوم ہوتے ہیں، فرق صرف تہذیب وتزئین کا ہے اور وہ کوئی بڑا فرق نہیں، اردو ادب میں مقالہ نگاری کو علی گڑھ تحریک کا مرہون منت خیال کیا جاتا ہے حالانکہ اس تحریک سے بہت پہلے اور بعد میں کتب فتاوی میں اکثر ایسے فتوے نظر آتے ہیں جن کو اردو کے بہترین مقالات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

لسانی حیثیت سے بھی فتوؤں کو خاص اہمیت حاصل ہے ان کے ذریعہ عہد بعہد کے لسانی تغیرات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اور چونکہ فتووں کا تعلق اسلامی فقہ سے ہے اس لیے ان کے ذریعے سے عربی زبان کے جو قانونی الفاظ اردو زبان میں داخل ہوئے ہیں ان کا سراغ بھی لگایا جاسکتا ہے، ایک خاص ملک یا ایک خاص علاقہ کے فتوے سے مسلمانوں کے ایک طبقے کے مزاج عقلی، اور نفسیاتی خصائص کا بھی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

تاریخی حیثیت سے بھی فتاوے خاص اہمیت رکھتے ہیں، چونکہ تاریخ اقوام وافراد کے احوال کا مجموعہ ہے اس لیے فتاوے جو کسی قوم کے اجتماعی وانفرادی احوال کے جزئیات پیش کرتے ہیں تاریخ سازی میں بہت معین ثابت ہوسکتے ہیں، کسی ملک اور کسی عہد کے سماجی معاملات، قومی ذہنیت اور اسی طرح کی تاریخی معلومات کو معلوم کرنے کا ایک بہت بڑا ماخذ کتب فتاوی ہیں، ان میں ایسی ایسی تفصیلات موجود ہیں کہ تاریخ کی عام کتابوں میں ان کا کوئی اشارہ تک نہیں ملتا۔

فتاوی کے ذریعے ہم کسی علاقہ کے مسلمانوں کے رسم ورواج کے متعلق بھی بہت کچھ معلومات حاصل کر سکتے ہیں، فتاوے کی روشنی میں ہم تہذیبی وتمدنی معلومات بھی فراہم

کر سکتے ہیں۔سوانحی مواد میں فن سوانح نگاری کے ماہرین نے فتاوے کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک عالم ومفتی کے حالات کی تدوین میں مکاتیب ودیگر تصانیف سے زیادہ فتاوے اہم ہیں، اس میں مجیب ومفتی کی شخصیت اور ان کے ذہن وفکر کے مختلف گوشوں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے لہذا اگر تذکرۂ علما مرتب کیا جائے تو فتوؤں کے ذریعے ایسے ایسے علما کا پتہ چل سکتا ہے جن کے ناموں سے بھی اب تک کوئی واقف نہ ہوگا، خصوصاً وہ علما جنھوں نے فتاوے کے علاوہ کوئی اور علمی یادگار نہیں چھوڑی۔ (مقدمہ فتاوی مظہری، ص:۶۰)

یہ چند سطریں اور بنیادی باتیں اپنی مختصر اور ناقص معلومات کی بنیاد پر، **''فقہ اور فتاویٰ کی تدوین وتاریخ''** سے متعلق ہم نے تحریر کردی، دعا ہے کہ اللہ عزوجل اپنے حبیب کے صدقے اسے قبول فرمائے، ہم سب کو شریعت اسلامیہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور فقہ وفتاویٰ کی ترتیب وتدوین اور اس کے فروغ وارتقا میں جن فقہا اور مفتیان اسلام نے اپنی فکر وعمل اور سعی پیہم کے ذریعے کلیدی رول ادا کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کی تمام خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

قد تمت ہذہ الرسالۃ بتوفیق اللہ تعالیٰ وبعون حبیبہ الاعلیٰ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

طالب دعا

محمد کمال الدین اشرفی مصباحی

خادم افتا واستاذ حدیث وفقہ

ادارۂ شرعیہ اتر پردیش، رائے بریلی، یوپی

۲۴؍صفر المظفر ۱۴۴۰ھ مطابق ۳؍نومبر ۲۰۱۸ء

بروز شنبہ

مآخذ و مراجع

نمبر شمار	اسمائے کتب	اسمائے مصنفین رمولفین	سنہ وصال
۱	قرآن حکیم	منزل من اللہ تعالی علی نبیہ الاعلی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	
۲	کنزالایمان	امام اہل سنت امام احمد رضا قدس سرہ	۱۳۴۰ھ
۳	صحیح بخاری	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری قدس سرہ	۲۵۶ھ
۴	سنن ترمذی	امام ابوعیسی محمد بن عیسی بن سورہ ترمذی	۲۷ھ
۵	مسند احمد	ابوعبداللہ احمد بن حنبل شیبانی قدس سرہ	۲۴۱ھ
۶	سنن دارمی	امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن قدس سرہ	۲۵۵ھ
۷	دارقطنی	امام علی بن عمرو دارقطنی قدس سرہ	۲۸۵ھ
۸	مسانید الامام ابی حنیفۃ	امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت قدس سرہ	۱۵۰ھ
۹	موطاامام مالک	امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۷۹ھ
۱۰	معجم اوسط	امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی	۳۶۰ھ
۱۱	احیاء العلوم	حجۃ الاسلام امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی	۵۰۵ھ
۱۲	درمختار	علامہ علاءالدین حصکفی قدس سرہ	۱۰۸۸ھ
۱۳	ردالمحتار	علامہ ابن عابدین شامی قدس سرہ	۱۲۵۲ھ
۱۴	فتاویٰ رضویہ	امام اہل سنت امام احمد رضا قدس سرہ	۱۳۴۰ھ
۱۵	رسالہ اجلی الاعلام الخ	امام اہل سنت امام احمد رضا قدس سرہ	۱۳۴۰ھ
۱۶	شرح عقود رسم المفتی	علامہ ابن عابدین شامی قدس سرہ	۱۲۵۲ھ
۱۷	الاشباہ والنظائر	علامہ زین الدین ابن نجیم مصری قدس سرہ	۹۷۰ھ
۱۸	فتاویٰ مظہری	مفتی محمد مظہراللہ قادری دہلوی	۱۳۸۶ھ

۱۹	فتاویٰ مفتی اعظم	امام الفقہا مفتی مصطفےٰ رضا خان بریلوی	۱۴۰۲ھ
۲۰	فتاویٰ فقیہ ملت	مفتی جلال الدین احمد امجدی قدس سرہ	۱۴۲۲ھ
۲۱	بہار شریعت	صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی قدس سرہ	۱۳۶۷ھ
۲۲	شرح عین العلم وزین الحلم	علی بن سلطان محمود ہروی قدس سرہ	۱۰۱۴ھ
۲۳	مسلم الثبوت	علامہ قاضی محب اللہ بہاری قدس سرہ	۱۱۱۹ھ
۲۴	التوضیح والتلویح	عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ قدس سرہ	۷۴۷ھ
۲۵	کشف الظنون	علامہ مصطفیٰ بن عبد اللہ المعروف حاجی خلیفہ	۱۰۶۷
۲۶	الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ	عبد القادر قرشی حنفی قدس سرہ	۷۷۵ھ
۲۷	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی قدس سرہ	۴۶۳ھ
۲۸	آداب الشافعی ومناقبہ	ابو محمد عبد الرحمن بن محمد بن ادریس تمیمی	۳۲۷ھ
۲۹	تاریخ بخاری	ابوبکر محمد بن جعفر نرخشی	۳۴۸ھ
۳۰	المدخل	اابو عبد اللہ محمد بن محمد مالکی المشہور ابن الحاج	۷۳۷ھ
۳۱	الفائق للزمخشری	محمود بن عمر زمخشری قدس سرہ	۵۳۸ھ
۳۲	مفردات امام راغب	ابو القاسم حسین بن محمد المعروف ''راغب اصفہانی	۵۰۲ھ
۳۳	التعریفات للجرجانی	سید شریف علی بن محمد جرجانی قدس سرہ	۸۱۶ھ
۳۴	المنجد	لوئیس معلوف الیسوعی	
۳۵	الملفوظ	امام الفقہا مفتی مصطفےٰ رضا خان بریلوی	۱۴۰۲ھ
۳۶	انوار مفتی اعظم	علامہ محمد احمد مصباحی	
۳۷	سوانح امام اعظم	حضرت شاہ ابو الحسن زید فاروقی مجددی	
۳۸	تذکرۃ المحدثین	مولانا غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۳۸ھ
۳۹	مناقب امام اعظم	امام موفق بن احمد مکی قدس سرہ	۵۶۸ھ

اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن-
ایک مختصر تعارف

رجب المرجب 1431 ہجری/ جون 2010ء میں مدینۃ الاولیاء حیدرآباد دکن میں **اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن** کا قیام عمل میں آیا۔ بانی ادارہ، بشارت علی صدیقی اشرفی کی تحریک، محنت وکاوش کے زیر اہتمام ادارہ علمی وتحقیقی کام کر رہا ہے، بے شمار نوادرات اہل سنت پر کام ہو رہا ہے، نیز اکابرین آئمہ دین کے کئی ایک علمی کتب کا عربی سے اردو میں پہلی بار ترجمہ کروایا گیا ہے۔

ادارے کے 7/اہم شعبے ہیں:

1-شعبہ تراجم کتب (عربی سے اردو)
2-شعبہ تصنیف وتالیف (جدید عنوانات پر)
3-شعبہ نوادرات اہل سنت (کتب اسلاف ہند)
4-شعبہ کتب مخدوم کوکن فقیہ علی مہائمی۔
5-شعبہ کتب مخدوم دکن بندہ نواز گیسو دراز۔
6-شعبہ معارف صوفیا واولیا۔
7-شعبہ کتب محدث اعظم ہند وشیخ الاسلام کچھوچھوی۔

اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام ہونے والے علمی کام

شعبہ تراجم کتب (عربی سے اردو)

کُتب امام سلمی شافعی (م:412ھ)

1-''**اربعین تصوف**'' (کتاب الاربعین فی التصوف)؛ مترجم: علامہ عبدالمالک مصباحی
2-''**نفس کی برائیاں**'' (عیوب النفس)؛ مترجم: مولانا سراج احمد قادری مصباحی۔
3-''**آداب زندگی**'' (آداب الصحبہ وحسن العشرۃ)؛ مترجم: مولانا رئیس اختر مصباحی

کُتب امام ابوالقاسم عبدالکریم قشیری (م:465ھ)

1-''**توبہ کا بیان**'' (مُخْتَصَرٌ فِی التَّوْبَۃ)؛ مترجم: مولانا آصف مصباحی۔

2- کتاب منثور الخطاب فی مشهور الابواب؛ مترجم: مولانا آصف مصباحی۔
3- ''اسرار معراج'' (کتاب المعراج)؛ مترجم: مولانا محمد ذیشان یوسف مصباحی۔
4- ''نحوی قواعد اور قلبی احوال'' (نحو القلوب)؛ مترجم: محمد عبد اللہ قادری مصباحی۔

کتب امام عبد الرحمٰن بن علی بن جوزی حنبلی (م: 597ھ)

1- ''مناقب معروف کرخی'' (مناقب معروف الکرخی و اخبارہ)؛ ترجمہ، تقدیم وتحشیہ: مولانا شبیر حسین ازہری۔
2- ''امام حسن بصری - فضائل و مناقب'' (آداب الحسن البصری وزھدہ ومواعظہ)؛ ترجمہ، تقدیم وتحشیہ: مولانا محمد عطاء النبی حسینی مصباحی ابو العلائی۔

کتب امام نجم الدین کبری (شہادت: 618ھ)

1- ''آداب سلوک و معرفت'' (کتاب آداب السلوک الی حضرۃ مالک الملک وملک الملوک)؛ مترجم: مولانا میزان الرحمن علائی اشرفی امجدی۔
2- ''راہ مولی کے سرگرداں مسافر'' (رسالۃ السائر الحائر الواجد الی الساتر الواحد الماجد)؛ مترجم: مولانا میزان الرحمن علائی اشرفی امجدی۔
3- ''لومۃ لائم سے ترساں پیاسے تک'' (رسالۃ الی الھائم الخائف من لومۃ اللائم)؛ مترجم: مولانا میزان الرحمن علائی اشرفی امجدی۔

کُتب امام ابن رجب حنبلی (م: 795ھ)

1- ''اہل شریعت وطریقت کی پہچان'' (کشف الکربۃ فی وصف اھل الغربۃ)؛ مترجم: مولانا مفتی عبد الخبیر اشرفی مصباحی۔
2- ''توحید اور کلمۂ اخلاص'' (تحقیق کلمۃ الاخلاص)؛ مترجم: مولانا حفیظ الرحمن مصباحی
3- ''حرص جاہ ومال'' (ذم المال والجاہ)؛ مترجم: مولانا آصف مصباحی۔

کتب امام علاء الدین علی المتقی ھندی (م: 974ھ)

1- ''علامات امام مھدی'' (البرھان فی علامات مھدی آخر الزمان)؛ مترجم: مولانا محمد اظہار النبی حسینی مصباحی۔
2- ''تصوف میں قدم رکھنے والوں کے لیے شرائط اور ان کی اہمیت''

(التحذیر عن الوقوع فی المھلکۃ والبلیۃ لمن شرع فی علم الحقائق بلا اھلیۃ)؛ مترجم: مولانا میزان الرحمن علائی اشرفی امجدی۔

3-''دنیا اور اہل دنیا کی پہچان''(الغایۃ القصیا فی معرفۃ الدنیا)؛مترجم: مولانا میزان الرحمن علائی اشرفی امجدی۔

4-''نعمات الٰہی کا ذکر جمیل''(تذکار النعم والعطایا فی الصبر والشکر علی الفقر والبلایا)؛مترجم: مولانا میزان الرحمن علائی اشرفی امجدی۔

5-''مراتب انسان کے عرفان کا عمدہ معیار''(نعم المعیار والمقیاس لمعرفۃ مراتب الناس)؛مترجم: مولانا میزان الرحمن علائی اشرفی امجدی۔

کتب امام ملا علی قاری حنفی (م:1014ھ)

1-''اربعین احادیث قدسی''(الأحادیث القدسیۃ الأربعینیۃ)؛مترجم: مولانا افضل حسین اشرفی مصباحی۔

2-''حیات خضر علیہ السلام''(الحَذَرُ فی امر الخَضِر)؛مترجم: مولانا محمد گلریز رضا مصباحی۔

3-''خوفِ خاتمہ''(المقدمۃ السالمۃ فی خوف الخاتمۃ)؛مترجم: مولانا رئیس اختر مصباحی۔

4-''غیبت کی خرابیاں''(تطھیر العیبۃ من دنس الغیبۃ)؛مترجم: مولانا محمد شمشاد عالم مصباحی۔

کتب امام یوسف بن اسماعیل نبھانی شافعی (م:1350ھ)

1-''شان رب العالمین بزبان رحمۃ للعالمین''(اربعون حدیثا نبویا فی الثناء علی اللہ تعالی)؛مترجم: مولانا تحسین رضا قادری مرکزی۔

2-''اربعین برکات قرآن''(اربعون حدیثا فی فضل القرآن الکریم و تلاوتہ)؛مترجم: مولانا محمد اشرف رضا ہاشمی اشرفی نجمی۔

3-''اربعین صوفیہ''(الاربعون الصوفیہ)؛مترجم: مولانا میزان الرحمن علائی اشرفی۔

[40-ائمہ تصوف سے مروی 40-احادیث رسول اللہ ﷺ کا بہترین مجموعہ حضرات ائمہ صوفیہ رضی اللہ تعالی عنھم اجمعین سے منقول فوائد کے ساتھ]

4-"اکرام مسلم" (اربعون حدیثا فی تعظیم المسلم و الزجر عن سبه)؛ مترجم: مولانا محمد عطاء النبی حسینی مصباحی ابوالعلائی۔

5-"شان الٰہی بکلام الٰہی" (اربعون حدیثا قدسیا فی الثناء علی اللہ تعالیٰ)؛ مترجم: مولانا محمد محبوب رضا مصباحی۔

شعبہ کتب مخدوم کوکن فقیہ علی مہائمی

1-''مراتب وجود''[نظریۂ وحدۃ الوجود پر ایک علمی کتاب اراءۃ الدقائق فی شرح مرآۃ الحقائق کا پہلا اردو ترجمہ]مصنف: قطب کوکن، امام ربانی فقیہ مخدوم علی بن احمد مہائمی شافعی (۷۷۶-۸۳۵)؛ ترجمہ وتحقیق: فاروق خاں مہائمی مصباحی۔

2-''شرح سید الاستغفار''[حضرت مخدوم فقیہ علی مہائمی کی ایک نایاب تصنیف عربی متن اور آسان اردو ترجمے کے ساتھ]؛ مصنف: قطبِ کوکن امام ربانی حضرت مخدوم فقیہ علی بن احمد مہائمی شافعی (۷۷۶-۸۳۵ھ)؛ ترجمہ وتحقیق: علامہ مولانا فاروق خاں مہائمی مصباحی۔

3-''ضمیر الانسان''(لِاِزْدِیَادِ اشْتِیَاقِ الْمُحِبِّیْنَ اِلٰی ذِکْرِ الرَّحْمٰن کا سلیس اردو ترجمہ-حضرت مخدوم فقیہ علی مہائمی کی حیات پر پہلی مستقل کتاب)؛ مصنف: حضرت مولانا سید ابراہیم بن سید محمد قادری حسینی مدنی کلیانی (۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۴ء)؛ ترجمہ وتحقیق: فاروق خاں مہائمی مصباحی۔

4-''زینت المجلس ''[حضرت مخدوم فقیہ علی مہائمی کی حیات پر 218 سال قدیم منظوم تذکرہ]؛ مصنف: قاضی محمد یوسف مرگھے شافعی[1283-1189ھ/ 1866-1775ء]؛ ترتیب جدید وتحقیق: فاروق خاں مہائمی مصباحی۔

اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن

حیدرآباد دکن

❁❁❁❁❁